عقیقہ

فضائل ومسائل

مرتب

مفتی سراج الحق سعادتی میواتی

خادم جامعہ سعادت دارین، میولی، نوح، میوات، ہریانہ

عرض مرتب

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين. أما بعد:

﴿المال والبنون زينة الحيوة الدنيا والباقيات والصلحت خير عند ربك ثواب وخير أملًا﴾ (الكهف: ٤٦)

انسان اس کائنات میں ایک عظیم ہستی اور مخلوقات میں سب سے اشرف ہے، نیز وہ اس کائنات میں باری تعالیٰ کا نائب ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿إني جاعل في الأرض خليفة﴾ (البقرة: ۳۰)، اللہ تعالیٰ نے اپنی اس مکرم اور نائب ہستی پر متعدد انعامات فرمائے ہیں، جن کا احاطہ دشوار ہے، البتہ من جملہ ان تمام نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت "اولاد" ہے۔

یہ ایک ایسی نعمت ہے جس کی انسان تمنا بھی کرتا ہے اور اپنی دعائیں بھی اسی کے لیے صرف کرتا ہے۔ چناں چہ حضرات انبیا سے بھی اس نعمت عظمیٰ کا بارگاہِ ایزدی میں سوال کرنا منقول ہے، چناں چہ ابوالانبیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں مذکور ہے کہ انہوں نے قادرِ مطلق کے حضور درخواست پیش فرمائی اور عرض گزار ہوئے: ﴿رب هب لي من الصّٰلحين﴾ (الصافات: ۱۰۰) اور عرشِ الٰہی سے قبولیت کے ساتھ خوش خبری کا پروانہ موصول ہوا: ﴿فبشرناه بغلام حليم﴾۔ (الصافات: ۱۰۱)

حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا فرمائی:﴿فهب لي من لدنك وليا. يرثني ويرث من آل يعقوب﴾۔(سورۂ مریم:٦)

اللہ کی طرف سے ندا آئی:﴿يزكريا إنا نبشرك بغلام اسمه يحيي﴾(مریم:۷)، نیز اللہ تعالیٰ نے "عباد الرحمٰن" کے من جملہ اوصاف میں سے ایک وصف یہ بیان کیا ہے کہ وہ اپنی مستجاب دعاؤں میں کہتے ہیں:﴿ربنا هب لنا من أزواجنا وذريّتنا قرة أعين﴾۔(سورۂ فرقان:۷۴)

اولاد جہاں ایک نعمت ہے وہیں یہ انسان کے لیے ایک لذت، فرحت اور خوشی حاصل کرنے کا ذریعہ بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات فرماتے ہیں:﴿أشهى ثمرات الحياة إلى الإنسان الأولاد﴾ یعنی انسان کی زندگی میں اگر سب سے مرغوب شئ کوئی ہے تو وہ "اولاد" ہے، اور یہی انسانی زندگی کا خوش گوار پھل ہے، نیز نسل کا بقا بھی اسی نعمت اولاد پر موقوف ہے، یہی تخلیق کائنات کا منشا بھی ہے۔ چناں چہ ایک مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے یزید پر ناراض ہوئے تو احنف رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا:"اے امیر المومنین!"أولادنا ثمار قلوبنا وعماد ظهورنا" اولاد ہمارے دلوں کے ثمرات ہیں اور ہمارے لیے ستون ہیں۔(بہجۃ المجالس وأنس المجالس لابن عبد البر)

ان تمام تفصیلات سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ اولاد کا حاصل ہونا یہ انسان کے لیے ایک عظیم نعمت ہے، اور یہ صرف باری تعالیٰ کا اپنے بندوں پر فضل ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:﴿يهب لمن يشاء إناثا ويهب لمن يشاء الذكور..... ويجعل من يشاء عقيما﴾(اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں لڑکیاں دیتے ہیں، اور جس کو چاہیں لڑکے

دے دیتے ہیں، اور جس کو چاہیں بانجھ رکھتے ہیں)۔ (سورۃ الشوریٰ:۴۹-۵۰) نیز ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے: "إن أولادكم هبة الله لكم، يهب لمن يشاء إناثا ويهب لمن يشاء الذكور" (بے شک تمہارے لیے تمہاری اولاد اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں لڑکیاں عطا فرماتے ہیں، اور جس کو چاہتے ہیں لڑکے دیتے ہیں)۔ (مستدرک حاکم:۳۰۷۸) اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی اپنی جگہ مسلّم ومشاہد ہے کہ ﴿لئن شكرتم لأزيدنكم ولئن كفرتم إن عذابي لشديد﴾ (اگر تم میری نعمتوں کی شکر گزاری کروگے تو میں ان میں مزید اضافہ کروں گا، ورنہ تصویر کے دوسرے رخ کے سلسلے میں میری پکڑ بڑی سخت ہے)۔ (ابراہیم:۷)

چوں کہ اولاد باری تعالیٰ کی جانب سے عظیم الشان نعمت ہے؛ اس لیے اس کی قدر دانی کی بھی اشد ضرورت ہے، شریعت مطہرہ نے اس جانب بہت ہی زیادہ توجہ فرمائی ہے۔ چناں چہ بچے کے پیدا ہونے سے لے کر لحد تک کے احکام کا احاطہ شریعت طیبہ نے کیا ہے، من جملہ ان ہی میں سے ایک اہم عبادت اور قرب خداوندی کے حصول کا ایک اہم باب نعمت اولاد کے حصول پر والدین کی طرف متوجہ ہوتا ہے، جسے "عقیقہ" سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوئی نعمت کے شکر کو بجالانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ عقیقہ چوں کہ کثیر الوقوع ہے، اور اکثر اس کے سلسلے میں غفلت برتی جاتی ہے، نیز اس کے باب میں افراط وتفریط سے کام لیا جاتا ہے، چناں چہ بعض احباب کی جانب سے اصرار ہوا کہ اس سلسلے میں ایک مختصر رسالہ افادۂ عام کی غرض سے جمع کیا جاوے، جو کافی وشافی ہو، لہٰذا اسی کی بنا پر یہ چند سطور سپرد قرطاس کی جارہی ہیں، اس امید کے ساتھ کہ اللہ رب العزت کی بارگاہ

میں شرف قبولیت سے نوازی جائیں، اور آخرت میں (جو مومن کا حقیقی مطلوب ومقصود ہے) ذریعۂ نجات بن جائیں۔آمین یا رب العالمین.

از: سراج الحق سعادتی

خادم جامعہ سعادت دارین، میولی، نوح، میوات، ہریانہ

واستاذ تفسیر مدرسہ ابی بن کعب لتحفیظ القرآن الکریم، گھاسیڑہ، میوات، ہریانہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عقیقہ لغۃً:

"عقيقة" یہ "عق" سے لیا گیا ہے، جس کے معنی چیرنے اور پھاڑنے کے آتے ہیں۔ چناں چہ امام احمد بن حنبل اور علامہ ابن عبدالبر مالکی سے یہی تعریف منقول ہے، علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: "ويرى الإمام أحمد أنها مأخوذة من العق، وهو الشق والقطع"۔(المغنی لابن قدامہ:٨/٦٥٨)

عقیقہ اصطلاحاً:

اس سلسلے میں متعدد اقوال میں ہیں:

(١) عقیقہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو نومولود کے سر پر ہوتے ہیں۔ چناں چہ علامہ عینی نے امام اصمعی کا قول نقل کیا ہے: "وقال الإصمعي: العقيقة أصلها الشعر الذي يكون على رأس الصبي حين يولد"۔(عمدۃ القاری:١٧/١٩٦)

عقیقہ اس ذبیحے کو کہا جاتا ہے جو بچے کی جانب سے ولادت کے ساتویں دن بطور شکرانے کے ذبح کیا جاتا ہے۔ چناں چہ علامہ ابن قدامہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: "العقيقة هي إسم لما يذبح عن المولود"۔(المغنی لابن قدامہ:٨/٦٥٦، فتح الباری:٩/٤٨٢)

(٢) حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "وسميت الشاة التي تذبح عنه في تلك الحالة عقيقةً، لأنه يحلق عنه ذلك الشعر عند الذبح" (پیدائش کے بالوں کی موجودگی میں مولود کی جانب سے ذبح کی جانے والی بکری کو عقیقہ کہا جاتا ہے، کیوں

کہ ذبح کے وقت یہ بال مونڈھے جاتے ہیں)۔(فتح الباری:۹/۵۰۰)

(۳) امام خطابی فرماتے ہیں: "العقيقة إسم الشاة المذبوحة عن الولد، سميت بذلك لأنها تعق مذابحها أي تشق وتقطع"(نومولود کی طرف سے ذبح کی ہوئی بکری کو عقیقہ کہا جاتا ہے، کیوں کہ نومولود کی ولادت پر اس کی رگیں کاٹی جاتی ہیں)۔

(فتح الباری:۹/۷۲۶)

(۴) علامہ شوکانی لکھتے ہیں: "العقيقة الذبيحة التي تذبح للمولود، والعق في الأصل: الشق والقطع" (عقیقہ وہ ذبیحہ ہے جو نومولود کی خاطر ذبح کیا جاتا ہے۔اصل میں عق کے معنی پھاڑنے اور کاٹنے کے ہیں)۔

آگے وجہ تسمیہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "وسبب تسميتها بذلك لأنه يشق حلقها بالذبح، وقد يطلق إسم العقيقة على شعر المولود"(اور عقیقہ کو عقیقہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ذبح کے وقت ذبیحے کا حلق کاٹا جاتا ہے۔نیز کبھی عقیقے کا اطلاق نومولود کے بالوں پر بھی ہوتا ہے)۔(نیل الاوطار:۵/۱۴۰)

بہر حال؛ اس سلسلے میں فقہا اور علمائے لغویین کے مختلف اقوال ہیں، تاہم ان تمام سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عقیقے کا اطلاق نومولود کے بالوں پر اور اس کی جانب سے ذبح کیے جانے والے جانور؛ دونوں پر ہوتا ہے۔

عقیقہ یا نسیکہ:

یہ بھی قابل غور ہے کہ بعض علما نے شکرانے کی اس عبادت کے لیے لفظ "عقیقہ" کا استعمال مکروہ قرار دیا ہے، اس کو ناپسند فرمایا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیقے کے متعلق سوال کیا گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ناپسند فرمایا۔ چناں چہ حضرت عبداللہ بن عمرو سے منقول ہے:"سئل النبي ﷺ عن العقيقة، فقال: لا يحب الله العقوق، كأنه كره الإسم، وقال: من ولد له ولدٌ فأحب أن ينسك عنه فلينسك، عن الغلام شاتان مكافئتان وعن الجارية شاة" (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیقے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ عقوق کو پسند نہیں کرتا، گویا حضور نے یہ نام (عقیقہ) پسند نہیں فرمایا، اور آپ نے ارشاد فرمایا: جس کے یہاں بچے کی ولادت ہو، اور وہ اس کی جانب سے جانور ذبح کرنا چاہے تو کرے، لڑکے کی جانب سے دو (عمر میں) برابر کی بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری)۔

(سنن ابی داود، کتاب الاضاحی، رقم الحدیث:۲۸۴۲)

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیقے کے متعلق سوال پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ عقوق (نافرمانی) کو ناپسند کرتا ہے؛ اس میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ نومولود کی جانب سے ذبح کیے جانے والے جانور کو "عقیقہ" سے موسوم نہ کیا جائے، یہ بات ناپسندیدہ ہے، کیوں کہ "عقیقہ" اور "عقوق" دونوں ایک ہی مادے سے ہیں۔ اور اسی حدیث میں "فأحب أن ينسك" سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ "عقیقہ" کو "نسیکہ" سے تبدیل کر دیا جائے۔

لیکن اس کے برخلاف ایک دوسری جماعت لفظ "عقیقہ" کے استعمال کے مباح ہونے کی قائل ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ "عقیقہ" بنفسہ کئی احادیث میں وارد ہے، چناں چہ حضرت سلمان بن عامر الضبی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:"قال رسول الله ﷺ: مع

الغلام عقیقة، فأھریقوا عنه دما وأمیطوا عنه الأذی" (بچے کا عقیقہ ہے،تو تم اس کی طرف سے جانور ذبح کر کے خون بہاؤ اور اس کی گندگی کو دور کرو)۔اسی طرح ایک دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:"الغلام مرتھن بعقیقته یذبح عنه یوم السابع ویسمی ویحلق رأسه" (بچہ اپنے عقیقے کے ساتھ رہن (گروی) ہوتا ہے، اس کی جانب سے ساتویں دن ذبح کیا جاتا ہے اور اس کا نام رکھا جاتا ہے اور اس کے بال منڈوائے جاتے ہیں)۔(سنن الترمذی:۱۲۴۲)

ان دونوں حدیثوں میں اور ان کے علاوہ کئی ایک احادیث مبارکہ میں جو مختلف طرق سے وارد ہیں؛ لفظ "عقیقہ" کا استعمال ہوا ہے،جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ عقیقہ کا استعمال مباح ہے،مکروہ نہیں ہے۔البتہ "لا یحب اللہ العقوق" کہنے کی وجہ اور اس کی ممانعت جو وارد ہوئی ہے؛ اس کے بارے میں علما نے متعدد وضاحتیں فرمائی ہیں،جن سے حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

(۱) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ کو جو نام پسند نہیں ہوتا تھا؛ آپ اس کو تبدیل فرما دیتے تھے۔ بُرے نام کو اچھے نام سے بدل دینا آپ کی معروف عادت تھی، جیسا کہ علامہ قسطلانی شرح بخاری میں اور علامہ زرقانی شرح موطا میں فرماتے ہیں:"قد تقرر في علم الفصاحة الاحتراز عن لفظ یشترك فیه معنیان: أحدھما مکروہ فیجاء به مطلقًا" علم فصاحت میں یہ بات طے شدہ ہے کہ ایسے لفظ سے اجتناب کیا جائے جس کا ایک معنی کراہت پر دلالت کرتا ہو، اور ایسا لفظ مطلقاً نہ بولا جائے۔(ارشاد الساری:۸/۲۵۰،شرح زرقانی:۳/۱۲۸)

علامہ سلام اللہ محلی لکھتے ہیں: "يعني أنه كره الاسم وأحب أن يسمى بأحسن أسماء، كالنسيكة والذبيحة، جريا على عادته في تغيير الاسم القبيح" (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نام کو ناپسند فرمایا، اور پسند فرمایا کہ اس کا اچھا نام رکھا جائے، جیسے: نسیکہ اور ذبیحہ میں، کیوں کہ برے نام بدلنا آپ کی عادت شریفہ تھی)۔

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں لفظ "عقوق" سے ناپسندیدگی اس لیے ظاہر فرمائی کہ لفظ "عقیقہ" عقوق کے مشابہ ہے، جس کا مطلب والدین کی نافرمانی کرنا ہے، جو کہ کبیرہ گناہ ہے، چناں چہ صحابۂ کرام اس بات کو سمجھ گئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عقیقہ کا لفظ ناپسند ہے، تو انہوں نے اسی بات کو دوسرے انداز سے کہا کہ کیا میں بیٹے کی جانب سے جانور ذبح کرسکتا ہوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو پیدا شدہ بچے کی طرف سے جانور ذبح کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کرے اور لڑکی کی طرف سے ایک ذبح کرے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز کو "عتمة" کہنے سے منع فرمادیا تھا، حالاں کہ دونوں سے عشاء ہی مراد ہے، لیکن ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ "عتمة" کا لفظ کفار استعمال کیا کرتے تھے، اس وجہ سے مسلمانوں کے لیے اس کی ممانعت کردی گئی۔

علامہ زرقانی نے شرح موطا میں علامہ ابن عبدالبر کا قول اسی حدیث کے ذیل میں نقل فرمایا ہے، فرماتے ہیں: "وكان الواجب بظاهر الحديث أن يقال للذبيحة المولود نسيكة، ولا يقال عقيقة، لكني لا أعلم أحدًا من العلماء مال إلى

ذلك، ولا قال به، وأظنهم تركوا العمل به لما صح عنده في غيره من الأحاديث من لفظ العقيقة" (اس حدیث کی بنا پر ضروری ہے کہ بچے کی پیدائش پر ذبح کیے جانے والے جانور کو نسیکہ کہا جائے، اور اسے عقیقہ نہ کہا جائے، لیکن علما میں سے کوئی بھی اس کا قائل اور عامل نہیں ہے، کیوں کہ کئی ایک صحیح احادیث میں عقیقے کا لفظ موجود ہے)۔ (شرح زرقانی: ۳/۱۲۸)

ان تمام عبارات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک خاص مفہوم یعنی لفظ "عقیقہ" اور "عقوق" کے اشتباہ کی وجہ سے یا دونوں کے مادۂ اشتقاق میں اشتراک کی وجہ سے اسے ناپسند فرمایا تھا، لیکن چوں کہ اس کے مقابلے میں کئی ایک احادیث صحیحہ وارد ہیں، نیز یہ لفظ (نسیکہ) معمول بہا بھی نہیں ہے، اور لفظ "عقیقہ" کے استعمال میں کوئی حرج بھی نہیں ہے، لہٰذا اس کے استعمال میں کوئی کراہت نہیں ہے، اور اگر کسی درجے میں کراہت ہے تو وہ کراہت تنزیہی ہے، جو کہ جواز ہی کا ایک شعبہ ہے۔

عقیقے کا حکم:

اس سلسلے میں ائمۂ عظام کا موقف مختلف رہا ہے، چناں چہ مالکیہ، حنابلہ، شافعیہ، اباضیہ، اسی طرح زیدیہ اسے سنت قرار دیتے ہیں، اور یہی مسلک حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عائشہ، حضرت ابن عمر اور فقہائے تابعین کا ہے، اور ان کا مستدل مختلف روایات ہیں۔ اس کے برخلاف حضرت حسن بصری، لیث بن سعد، داود ظاہری اور ابن حزم وغیرہ واجب قرار دیتے ہیں۔

اس سلسلے میں تیسرا مسلک جو کہ ائمۂ احناف کا ہے؛ یہ ہے کہ عقیقہ فرض واجب اور

سنت مؤکدہ تو نہیں؛ البتہ مستحب ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا کرنا ثابت ہے۔ بعض حضرات نے امام ابوحنیفہ کی طرف یہ نسبت کی ہے کہ حضرت امام صاحب اس کو بدعت قرار دیتے ہیں اور مکروہ تحریمی فرماتے ہیں، حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری نوراللہ مرقدہٗ نے اس کی سخت تردید فرمائی ہے، چناں چہ رقم طراز ہیں:

> یہ امام صاحب پر الزام لگانا غلط اور افترا ہے، "مالا بدمنہ" میں ہے: "بانکہ عقیقہ نزد امام مالک وشافعی واحمد واجب، ونزد امام اعظم مستحب، وقول بہ بدعت بودنش افتراء است بر امام ہمام" (جان لو کہ عقیقہ امام مالک، امام شافعی نیز امام احمد کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، اور امام احمد کی ایک روایت وجوب کی بھی ہے، اور امام اعظم کے نزدیک مستحب ہے، اور ان کی طرف بدعت کا قول منسوب کرنا حضرت امام ہمام پر افتراء ہے)۔

(مالا بدمنہ/ ١٧٨، فتاویٰ رحیمیہ ١٠/ ٦٠)

چناں چہ "العرف الشذي" میں ہے:

نسب إلى أبي حنيفة أنه لا يقول بالعقيقة، والموهم إليه عبارة محمد في موطأه، والحق أن مذهبنا استحبابها. (العرف الشذي للكشميري، باب ما جاء في العقيقة)

امام صاحب کی طرف یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ آپ عقیقے کے قائل نہیں ہیں، جیسا کہ موطأ میں امام محمد کے کلام سے معلوم ہوتا ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ہمارا مذہب استحباب کا ہے۔

البتہ منسوخ اور بدعت ہونے کا قول جو فقہائے حنفیہ سے منقول ہے، وہ اس ”عقیقہ“ کے بارے میں ہے، جو زمانۂ جاہلیت میں رائج تھا۔ قبل الاسلام بھی عقیقے کا رواج تھا، اور جاہلیت میں جانور کو ذبح کرکے اس کا خون نومولود کے سر پر لگایا جاتا تھا، نیز اس کو فرض وواجب شمار کیا جاتا تھا، اس کو منسوخ کیا گیا۔ جیسا کہ امام محمد نے نقل فرمایا ہے:

أما العقيقة فبلغنا أنها كانت في الجاهلية وقد فعلت في أول الإسلام ثم نسخ الأضحى كل ذبح كان قبله، ونسخ صوم شهر رمضان كل صوم كان قبله، ونسخ غسل الجنابة كل غسل كان قبله، ونسخت الزكاة كل صدقة كان قبلها، كذلك بلغنا. (الموطأ: ۲۹۱، باب العقيقة)

ترجمہ: بہر حال عقیقہ تو وہ زمانۂ جاہلیت میں تھا، اور ابتدائے اسلام میں بھی اس کا شیوع تھا، پھر قربانی نے ہر ذبح کو منسوخ کردیا، اسی طرح رمضان المبارک کے روزوں نے پہلے کے تمام روزوں کو منسوخ کردیا (باعتبار فرضیت کے)، اور غسل جنابت نے ماقبل کے تمام غسلوں کو منسوخ کردیا، اسی طرح زکوٰۃ نے ماقبل کے تمام صدقات کی فرضیت کو منسوخ کردیا۔ اسی طرح ہم کو بات پہنچی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت والا عقیقہ منسوخ ہے، اس طور پر عقیقہ اب باقی نہیں، ورنہ عقیقہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر تمام قرون میں امت مسلمہ میں رائج رہا ہے، اسے ”تلقی بالقبول“ حاصل ہے، اور اس پر متعدد روایات شاہد ہیں۔

چناں چہ حضرت عبداللہ بن بریدہؓ کی روایت ہے: "سمعت أبي يقول: إن رسول الله ﷺ عق عن الحسن والحسين" (میں نے اپنے والد کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی جانب سے عقیقہ فرمایا)۔

(مسند احمد، رقم الحدیث: ۲۳۰۰۱)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ عقیقہ کرنا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے، اور آپ نے بذات خود اپنے نواسوں حضرات حسنین کا عقیقہ فرمایا۔

نیز حضرت عائشہ فرماتی ہیں: "أمرنا رسول الله ﷺ أن نعق عن الغلام شاتان، وعن الجارية شاة" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی جانب سے ایک بکری عقیقہ کرنے کا حکم فرمایا)۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الذبائح، باب العقیقۃ، رقم الحدیث: ۳۱۶۳)

اسی طرح حضرت ام کرز کعبیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیقے کے متعلق سوال کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "عن الغلام شاتان وعن الأنثى واحدة، ولا يضركم ذكرانًا كنَّ أم إناثًا" (بیٹے کی طرف سے دو بکریاں اور بیٹی کی طرف سے ایک بکری، اور اس سے کوئی فرق نہیں کہ ذبح کیے جانے والے جانور نر ہوں یا مادہ)۔ (سنن الترمذی، ابواب الاضاحی، رقم الحدیث: ۱۵۱۶)

اس کے علاوہ ایک اور روایت ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ "عقیقہ" مستحب عمل ہے۔ چناں چہ امام ابوداود نے ایک روایت نقل فرمائی ہے: "عن عمرو بن شعيب عن أبيه، أراه عن جده، قال: سئل رسول الله ﷺ عن العقيقة،

فقال: لا يحب الله العقوق، كأنه كره الاسم، وقال: من ولد له ولد، فأحب أن ينسك عنه فلينسك، عن الغلام شاتان مكافئتان وعن الجارية شاة" (اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیقے کے متعلق سوال کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو عقوق ناپسند ہے، البتہ تم میں سے جس کے یہاں بچے کی ولادت ہو، اور اس کی جانب سے ذبح کرنا چاہے تو لڑکے کی طرف سے دو، اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری ذبح کرے۔

(سنن ابی داود، رقم الحدیث: ۲۸۴۲)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إن اليهود تعق عن الغلام، ولا تعق عن الجارية، فعقوا عن الغلام شاتين وعن الجارية شاة" (یہود لڑکے کا تو عقیقہ کرتے ہیں، لیکن لڑکی کا نہیں کرتے، پس ان کی مخالفت میں تم لڑکے کا عقیقہ دو بکریوں کے ساتھ کرو، اور لڑکی کا ایک بکری کے ساتھ)۔

(شعب الایمان للبیہقی، رقم الحدیث: ۸۲۵۹)

اسی طرح ایک اور روایت میں ارشاد فرمایا: "إن مع الغلام عقيقة فأهريقوا عنه دمًا وأميطوا عنه الأذى" (لڑکے کا پیدائش کے بعد عقیقہ ہے، چناں چہ تم اس کی جانب سے جانور ذبح کرو، اور اس کی گندگی کو دور کرو)۔ (سنن ابن ماجہ، رقم: ۳۱۶۴)

مندرجہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب استطاعت کے لیے عقیقہ کرنا مستحب ہے، اور ایسی سنت ہے جس کو زندہ کرنا چاہیے۔ رہبر کائنات کے دونوں طرح کے اعمال، خواہ وہ قولی ہوں یا فعلی؛ موجود ہیں، یعنی قولاً بھی عقیقے کی ترغیب ہے، اور فعلاً بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات حسنین کا عقیقہ فرمایا، لہٰذا ائمۂ احناف کی طرف بدعت یا نسخ کی

نسبت درست نہیں ہے۔

چناں چہ "الأقوال الصحيحة في أحكام النسيكة" میں علامہ شمس الحق عظیم آبادی تحریر فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ صحیح ترین قول اور روایت کے مطابق بچے کی پیدائش پر عقیقہ کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک بھی سنت اور مستحب ہی ہے، اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ عقیقے کا مستحب اور سنت ہونا امام ابوحنیفہ کے قول سے ثابت نہیں، تب بھی اس کا ہمارے موضوع پر کوئی بڑا اثر نہیں پڑتا، کیوں کہ عقیقہ کرنا خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح احادیث سے ثابت ہے، جیسا کہ ماقبل میں گذرا، لہٰذا جب عقیقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحیح احادیث سے ثابت ہوگیا تو پھر یہی بات امام ابوحنیفہ کے مذہب کا بھی حصہ ہوئی، کیوں کہ امام ابوحنیفہ نے خود ہی فرمایا تھا: "جو بھی صحیح حدیث ہے وہی میرا مذہب ہے۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی "میزان کبریٰ" میں فرماتے ہیں:

قد تقدم قول الأئمة كلهم: إذا صح الحديث فهو مذهبنا، وليس لأحد معه قياس ولا حجة إلا طاعة الله ورسوله بالتسليم له. آ هـ. (أصل صفة صلاة النبي للعلامة الألباني: ١/٢٤)

ترجمہ: تمام ائمہ کا قول گذر چکا ہے کہ جب صحیح حدیث مل جائے تو وہی

ہمارا مذہب ہے، اور کسی کے لیے صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے کوئی قیاس یا حجت بازی کرنا جائز نہیں، سوائے اس کے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں سر تسلیم خم کر دے۔

علامہ محمد معین "دراسات اللبیب" میں فرماتے ہیں:

كان الإمام أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ يقول: حرام على من لم يعلم دليلي أن يفتي بكلامي، وهذا الكلام من أبي حنيفة ثابت بالسند المسلسل، وكان أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ إذا أفتى يقول: هذا رأي أبي حنيفة، وهو أحسن ما قدرنا عليه، فمن جاء بأحسن منه فهو أولى بالصواب. (الانتقاء لابن عبد البر/١٤٥، تاريخ بغداد ١٣/٣٥٢)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کو مری دلیل کا علم نہ ہو اس پر حرام ہے کہ وہ میرے کلام سے فتویٰ دے۔ امام ابوحنیفہ کا یہ کلام سند مسلسل سے ثابت ہے۔ امام ابوحنیفہ جب فتویٰ دیا کرتے تو فرمایا کرتے تھے کہ یہ ابوحنیفہ کی رائے ہے، اور یہ ہماری قدرت کے مطابق سب سے بہترین رائے ہے، اگر کوئی اس سے اچھی رائے لے آئے تو وہ صحیح قرار دیے جانے کے زیادہ حق دار ہے۔

عقیقہ کیوں کیا جائے:

یوں تو حکم شرعی کا ہونا ساری حکمتوں، رازوں اور فوائد کے لیے مسکت ہے، اس کے بعد کسی اور چیز کی ضرورت ہی نہیں رہتی، تاہم شریعت مطہرہ کا کوئی بھی حکم حِکم ومصالح سے خالی نہیں ہوتا، اسی لیے علما نے مختلف طرح کی حکمتیں عقیقے کے باب میں بھی بیان فرمائی ہیں۔ چناں چہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نور اللہ مرقدہ اپنی مایہ ناز کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" میں تحریر فرماتے ہیں:

وكان فيها مصالح كثيرة، راجعة إلى المصلحة الملية والمدنية والنفسية، فألقاها النبي ﷺ وعمل بها ورغب الناس فيها . (حجة الله البالغة ۲/ ٤١٢)

ترجمہ: عقیقے میں بہت سی حکمتیں پنہاں ہیں، جن کا تعلق مصالح نفسیہ، مدنیہ اور ملیہ سے تھا، ان مصالح کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو باقی رکھا، خود بھی اس پر عمل کیا اور لوگوں کو بھی اس کی رغبت دلائی۔

چناں چہ اس سلسلے میں سب سے پہلی جو حکمت نظر آتی ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد مبارک میں نظر آتی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: "الغلام مرتهن بعقيقته، يذبح عنه يوم السابع ويسمى ويحلق رأسه" (بچہ اپنے عقیقے کے ساتھ گروی ہوتا ہے، جس کو ساتویں دن اس کی جانب سے ذبح کیا جائے، اسی دن اس کا نام رکھا جائے، اور اس کے سر کے بال منڈوائے جائیں)۔ (سنن الترمذی: ۱۵۲۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ بچہ خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی؛ جب تک اس کا عقیقہ نہیں کیا جاتا ہے اس وقت تک وہ مرہون ہوتا ہے، اور "رہن" اپنی اس امانت یا بدلے میں دی ہوئی

چیز کو کہا جاتا ہے جو قرض لینے والا دوسرے کے پاس بطورِ وثیقے کے رکھتا ہے، اور جب قرض ادا کرتا ہے تو اس کو چھڑا لیتا ہے، اسی طرح جب تک بچے کا عقیقہ نہیں کیا جاتا ہے وہ بھی مصائب وآلام اور بیماریوں سے محفوظ نہیں ہوتا ہے، بلکہ ان سے گھرا رہتا ہے، جب عقیقہ کر دیا جائے تو گویا وہ آفات سے محفوظ ہو جاتا ہے، اس کو ان چیزوں سے آزاد کر دیا جاتا ہے۔

اس کے پیش نظر علمائے حق نے متعدد فوائد اور مصالح عقیقے کے سلسلے میں رقم فرمائے ہیں۔ چناں چہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نور اللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں:

(۱) ایک فائدہ اور حکمت عقیقے میں یہ ہے کہ معاشرے میں اپنے بچے کا نسب متعارف کرانا ایک ضروری امر ہے، تاکہ معاشرے والوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ بچہ فلاں شخص کا بیٹا ہے، اور کوئی شخص اس کے متعلق ناپسندیدہ بات نہ کر سکے، اس کے تعارف کے لیے ایک شکل یہ بھی تھی کہ یہ شخص خود گلی کوچوں میں پکارتا پھرے کہ میرے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے، ظاہر ہے کہ یہ بات ناگوار تھی، اس لیے جب لوگوں کو عقیقے پر بلایا جائے یا ان کے پاس گوشت بھیجا جائے، تو اس کی وجہ سے لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ اس شخص کے یہاں بچی یا بچہ پیدا ہوا ہے۔

(۲) عقیقہ کے فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان میں سخاوت کا مادّہ پیدا ہوتا ہے، بخل اور کنجوسی جیسی مذموم صفت سے بچنے کی ایک تدبیر ہے، جو انسان کی خوبی شمار ہوتی ہے۔

عقیقہ کا مذہبی وملی فائدہ:

(۳) عقیقے کے مذہبی وملی فوائد میں سے ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اس میں ملت ابراہیمی سے تعلق کا اظہار ہوتا ہے، کیوں کہ عیسائیوں کے یہاں بچہ پیدا ہونے پر زرد رنگ کے پانی میں اس کو رنگ دیا جاتا ہے، جس کو عیسائی "معموریہ" یا "بپتسمہ" کہتے ہیں، اور اسی کے متعلق آیت نازل ہوئی: "صبغة الله ومن أحسن من الله صبغة ونحن له عبدون" (بقرۃ:۱۳۸) ہم نے اللہ کا رنگ قبول کیا ہے، اور اللہ کے رنگ سے اور کس کا رنگ بہتر ہوسکتا ہے؟ اور ہم تو اسی اللہ کے پرستار ہیں۔

لہٰذا اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نسبت ملت ابراہیمی سے واضح کریں۔ مسلمانوں کے عام معاشرتی افعال ایسے طریقے پر ہونے چاہیے جن سے ملت ابراہیمی کا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ ملت ابراہیمی میں یہ متعارف تھا کہ آپ نے اپنے بیٹے کی جگہ بحکم خداوندی دنبہ ذبح کیا تھا۔

علاوہ ازیں مشہور افعال میں سے حج بھی ہے، جس میں ذبح کرنا اور بال منڈوانا بھی ہے، تو عقیقہ کرنے سے ملت ابراہیمی کے ان متعارف افعال اور امور سے نسبت پیدا ہوتی ہے، اس لیے مذہبی تعلق کے مظاہرے کے لیے یہ ایک عظیم صورت ہے۔ ایک اور اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ اس میں تابعداری اور انقیاد کا ایک نمونہ ہے، کیوں کہ بچے کی پیدائش پر اس

”عقیقے“ سے ایسا ہی ہوا جیسا کہ اس نے اپنا یہ بیٹا ہی اس کے دربار میں پیش کیا جو اتباع اور فرماں برداری کی معراج ہے۔

(حجۃ اللہ البالغۃ: ۲/ ۴۱۲-۴۱۳)

(۴) عقیقہ کرنے میں ایک نکتہ اور راز یہ بھی ہے کہ انسان کو اپنا بچہ بڑا پیارا ہوتا ہے، بچے کی پیدائش پر والدین کو بہت ہی زیادہ فرحت وشادمانی حاصل ہوتی ہے، اور مستقبل کی امیدوں کی سوچ وفکر سے گھر کا ہر فرد خوشی کی وجہ سے اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتا، ہر ایک کا دل فرحت وسرور سے لبریز ہوتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ بطورِ تشکر کچھ تصدق ہو، اور تصدق کی بہترین صورت یہ قربانی یعنی عقیقہ ہے۔

(الذبائح فی الشریعۃ الاسلامیۃ: ص ۲۸۳)

(۵) نیز ایک اہم فائدہ من جملہ فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ جب عقیقے کا گوشت فقراء ومساکین، دوست ورشتے داروں کو کھلایا جائے گا تو طبعی طور پر ان کے قلوب سے بچے کے لیے دعائیں نکلیں گی، جو بچے کے مستقبل کے تابناک ہونے میں معاون ہوں گی۔

(٦) علامہ ابن قیم جوزیہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "وغير مستبعد في حكمة الله تعالى في شرعه وقدره أن يكون سببا لحسن إنبات الولد، ودوام سلامته، وطول حياته في حفظه من ضرر الشيطان، حتى يكون كل عضو منها فداء كل عضو منه" (یہ بات مستبعد نہیں کہ عقیقے کے مشروع ومتعین کرنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہو کہ وہ بچے کی عمدہ نشوونما کا سبب بنے، اور آفات سے اس کی سلامتی کا ضامن ہو، نیز شیطان رجیم کے ضرر سے حفاظت کے ساتھ درازیٔ عمر کا ذریعہ ہو، حتی کہ

جانور کا ہر ہر عضو بچے کے ہر ہر عضو کا فدیہ قرار پائے)۔ (زاد المعاد: ۲/۳۲۶)

(۷) صاحب "فیض الباری" رقم طراز ہیں: "والسر في العقيقة أن الله أعطاكم نفسا، فقرِّبوا له أنتم أيضا بنفس، وهو السر في الأضحية، ولذا اشترطت سلامة الأعضاء في الموضعين، غير أن الأضحية سنوية، وتلك عمرية" (فرماتے ہیں کہ عقیقے میں راز یہ ہے کہ مولود کی شکل میں من جانب اللہ ایک جان کا حصول ہوا ہے، لہٰذا تم بھی ایک جان کا نذرانہ پیش کر کے اس کا تقرب حاصل کرو، اور یہی حکمت اضحیہ یعنی قربانی میں ہے، اسی وجہ سے دونوں مواقع میں جانور کے اعضا کا صحیح سالم ہونا ضروری ہے، البتہ دونوں میں اتنا سا فرق ہے کہ اضحیہ یعنی قربانی ہر سال ہوتی ہے، جب کہ عقیقہ عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ مشروع ہے۔ (فیض الباری شرح البخاری، کتاب العقیقۃ: ۵/۶۴۸)

(۸) ڈاکٹر مریم ابراہیم ہندی اپنی کتاب "العقيقة في الفقه" میں لکھتی ہیں: "أن فيها معنى القربان والصدقة والشكر لله تعالى، وإظهارًا لنعمته التي هي غاية المقصود من النكاح، فإذا شرع الإطعام للنكاح الذي هو وسيلة لحصول هذه النعمة فلأن تشرع عند الغاية المطلوبة أولى وأحرى" (عقیقے میں ثواب، صدقہ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا مقصود ہے، اور اس نعمت کا اظہار ہے جو کہ نکاح کا آخری مقصود ہے، لہٰذا جب اس نعمت کے حصول کے وسیلے یعنی نکاح کے لیے کھانا کھلانے کو مشروع کیا گیا؛ تو مطلوبہ مقصد کے حصول کے وقت اسے مشروع کیا جائے، یہ اولیٰ اور احسن ہے)۔

(۹) اولاد کا عقیقہ کرنے کی برکت سے بچے میں والدین کی نافرمانی کے جذبے

سے خلاصی حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث "لا يحب الله العقوق" کی تشریح میں لکھا ہے: "لا يحب الله العقوق: أي فمن شاء أن لا يكون ولده عاقا له في كبره فليذبح عنه عقيقة في صغره"۔ (مرقاۃ، کتاب الصید والذبائح، باب العقیقۃ: ۷/۲۴۹)

(۱۰) اگر بچہ ایام طفولیت ہی میں فوت ہوجائے تو عقیقے کی وجہ سے آخرت میں والدین کے حق میں بچے کی طرف سے شفاعت حاصل ہونے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں۔ (نومولود کے احکام واسلامی نام: ص ۱۰۲)

تلك عشرة كاملة.

عقیقے کا جانور مع متعلقہ احکام:

اصل میں اس سلسلے میں دو طرح کی روایتیں ہیں، جن میں بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکے کی جانب سے دو جانور (بکرا، بھیڑ، دنبہ وغیرہ) میں سے اور لڑکی کی جانب سے ایک جانور ذبح کیا جائے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: "عق رسول الله ﷺ عن الحسن والحسين بكبشين كبشين" (حضور اکرم ﷺ نے حضرات حسنین کی جانب سے دو دو مینڈھے ذبح کیے)۔ (سنن نسائی: ۴۲۱۹)

اسی طرح مستدرک حاکم کی روایت ہے: "أن النبي ﷺ عق عن الحسن والحسين عن كل واحد منهما كبشين إثنين متكافئين" (نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی جانب سے عقیقہ فرمایا، جس میں دونوں ہی کی طرف سے دو مینڈھے ایک جیسے ذبح فرمائے)۔ (مستدرک: ۷۶۹۷)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فعلاً حضور نے دو ذبح کیے۔ نیز قولی روایات جو ماقبل میں گذر چکیں؛ ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ لڑکے کی جانب سے دو اور لڑکی کی جانب سے ایک ذبح ہوگا، جیسا کہ حضرت ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے: "عن الغلام شاتان وعن الأنثى واحدة" (بچے کی جانب سے دو، جب کہ بچی کی جانب سے ایک)۔ (ترمذی: ۱۴۳۵)

البتہ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے نواسوں کی جانب سے ایک ایک مینڈھا ہی ذبح فرمایا تھا، چناں چہ خادم رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: "أن النبي ﷺ عق عن الحسن والحسين بكبشين" (حضور اکرم ﷺ

نے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی جانب سے مجموعی طور پر دو مینڈھے ذبح فرمائے۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "أن رسول الله ﷺ عق عن الحسن كبشا وعن الحسين كبشا" (اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن کی طرف سے ایک مینڈھا اور حضرت حسین کی طرف سے ایک مینڈھا ذبح فرمایا)۔

(شرح مشکوۃ الآثار:۱۰۳۹)

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے لڑکے کی جانب سے ایک ہی مینڈھا ذبح کیا، جب کہ دیگر میں دو کا تذکرہ ہے۔

ان ہی روایات کے پیشِ نظر یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اصل مدار وسعت پر ہے، لہٰذا اصل یہ ہے کہ دو مینڈھے لڑکے کی جانب سے اور ایک مینڈھا لڑکی کی طرف سے ذبح کیا جائے، البتہ اگر وسعت نہیں ہے تو ایک پر بھی اکتفا کیا جاسکتا ہے۔ چناں چہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے، آپ فرمایا کرتے تھے: "عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه قال يقول: عن الجارية وعن الغلام شاة شاة"۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۲۴۷۳۱)

البتہ مندرجہ بالا روایات کے متعلق تطبیقاً محدثین نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ حضور نے ایک ایک مینڈھے کو ساتویں دن ذبح کیا ہو، اور دوسرے دو کو کسی اور موقع پر۔ نیز بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ ایک ایک مینڈھا خود حضور نے ذبح فرمایا ہو، اور ایک مینڈھا حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کو ذبح فرمانے کا حکم دیا ہو، جیسا کہ صاحب مرقاۃ نے تحریر فرمایا ہے: "والحديث يحتمل أنه لبيان الجواز في الاكتفاء بالأقل أو دلالة على أنه لا يلزم من ذبح الشاتين أن يكون في اليوم السابع،

فيمكن أنه ذبح عنه في يوم الولادة كبشا وفي السابع كبشا، وبه يحصل الجمع بين الروايات، أو عق النبي من عنده كبشًا وأمر عليا أو فاطمة بكبش آخر، فنسب إليه أنه عق كبشا على الحقيقة وكبشين مجازًا"۔

(مذکورہ حدیث میں اس بات کا احتمال ہے کہ اس میں عقیقے کے جانور کے سلسلے میں قلیل مقدار کے بیان پر اکتفا کیا گیا ہو، یا اس بات کی طرف رہنمائی مقصود ہو کہ دونوں کو ساتویں دن ذبح کرنا ضروری نہیں، چناں چہ یہ بھی ممکن ہے کہ حضور نے یوم ولادت میں ایک مینڈھا ذبح کیا ہو، اور دوسرا ساتویں دن کیا ہو، اور اسی کے اعتبار سے روایات میں جو اختلاف ہے: مندفع ہو جاتا ہے، یا یہ کہ حضور نے اپنے پاس سے ایک مینڈھا ذبح کیا ہو، اور دوسرے کو ذبح کرنے کا حکم حضرت علی یا حضرت فاطمہ کو دیا ہو، چناں چہ جن میں ایک کا تذکرہ ہے وہ حقیقت پر محمول ہیں، اور جن میں دو کا تذکرہ ہے وہ مجازاً ہیں۔ (مرقاۃ، کتاب الصید والذبائح)

عقیقہ کون کرے؟

یہاں ضمناً یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ اصل عقیقہ کرنے کی ذمے داری اس شخص کی ہے جس پر بچے کا نفقہ واجب ہے، چناں چہ اگر وہ صاحب مال ہے تو اسی کو عقیقہ کرنا چاہیے، چناں چہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نور اللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں:

بر ہر کسے نفقۂ مولود واجب باشد، او را عقیقۂ او ہم از مالِ خود باید کرد، نہ از مال مولود، ورنہ ضامن خواہد شد، واگر پدرش محتاج باشد مادرش عقیقہ نماید اگر میسر باشد۔ (مالا بد منہ: ص۱۷۹)

البتہ والدین کی اجازت سے یا اپنی خوشی سے کوئی دوسرا بھی عقیقہ کروانا چاہے تو

کراسکتا ہے، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نواسوں حضرات حسنین کا عقیقہ فرمایا۔ نیز احادیث مبارکہ میں بھی اس طرح کی تخصیص کے ساتھ کوئی صراحت وارد نہیں ہوئی ہے، بلکہ عمومی الفاظ کے ساتھ حکم بیان کیا گیا ہے۔

عقیقے میں کون سا جانور ذبح کیا جائے؟

"عقیقہ" چوں کہ قربانی ہی کی ایک ہیئت ہے، اس میں شکرادا کرنے کے لیے بطورِ تقرب الٰہی جانور ذبح کیا جاتا ہے، جیسا کہ قربانی میں گویا انسان اپنے نفس کی جانب سے بطور فدیہ کے جانور ذبح کرتا ہے، ورنہ اصل حق تو یہ تھا کہ آقا کی بارگاہ میں بندہ خود اپنی ذات کو قربان کر دیتا، اسی وجہ سے فقہا نے لکھا ہے کہ عقیقے کے جانور کا حکم قربانی کے جانور کی طرح ہے، لہٰذا عقیقے میں صرف وہی جانور ذبح کیا جاسکتا ہے جس کی قربانی جائز ہو۔ چناں چہ صاحب "اعلاء السنن" علامہ ظفر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں: "لا يجزئ في العقيقة إلا ما يجزئ في الأضحية" (یعنی عقیقے میں وہی جانور ذبح کیا جاسکتا ہے جس کو قربانی میں ذبح کیا جاسکے)۔ (اعلاء السنن: ۱۷/ ۱۳۰) کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "عقیقہ" کو "نسیکہ" سے تعبیر فرمایا ہے، جس کا تقاضا ہے کہ اس میں بھی وہی شرائط ملحوظ ہوں جو کہ قربانی میں ہیں، چناں چہ جمہور فقہا کا یہی مسلک ہے، "وفيه دليل لقول الجمهور: لا يجزئ في العقيقة إلا ما يجزئ في الأضحية، فلا يجزئ فيه ما دون الجزعة من الضأن، ودون الثنية من المعز، ولا يجزئ فيه إلا السليم من العيوب، لأنه صلى الله عليه وسلم سماه نسكا، فلا يجزئ فيه إلا ما يجزئ في النسك"۔

(اعلاء السنن، باب فضیلۃ ذبح الشاۃ فی العقیقۃ: ۱۷/ ۱۳۰)

نیز جن جانوروں کی قربانی جائز ہے اُن سے عقیقہ کرنا بھی درست ہوگا۔ چناں چہ علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: "يرى الجمهور مالكية وشافعية وحنابلة أنه لا يجوز في العقيقة إلا ما يجوز في الأضحية من الأزواج الثمانية: الإبل والبقر والضأن والمعز ذكورهم وأنثاهم، ولا يجزئ الوحشي" (جمہور مالکیہ، شافعیہ اورحنابلہ کے نزدیک بھی جس کی قربانی کی جاسکتی ہے وہی جانور عقیقے میں بھی ذبح کیا جاسکتا ہے، چناں چہ وہ آٹھ نوع ہیں: اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری مذکر ومؤنث، البتہ وحشی اگر ہیں یعنی جنگلی ہیں تو ان کی درست نہیں)۔ (بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد: ۱/۴۲۶)

تو گویا اونٹ، اونٹنی، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، بھیڑ، مینڈھا، بکرا، دنبی، دنبہ: ان تمام کی قربانی جس طرح درست ہے اسی طرح ان کو عقیقے میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے، البتہ وحشی (جنگلی) خواہ بڑا ہو (جیسے نیل گائے، جنگلی گھوڑا) یا چھوٹا ہو (جیسے ہرن، بارہ سنگھا)، ان تمام کی قربانی بھی درست نہیں، لہٰذا ان سے عقیقہ بھی نہ ہوگا۔

قربانی کے جانور میں عقیقے کا حصہ لینا:

چوں کہ عقیقہ قربانی ہی کے مانند ہے، اسی وجہ سے اگر کسی شخص کو پورا جانور خریدنے کی وسعت نہ ہو، تو وہ بڑے جانور میں حصہ بھی لے سکتا ہے، بڑے جانور اونٹ، گائے، بھینس وغیرہ میں ایک حصہ ایک چھوٹے جانور کے مثل، اور دو حصے دو چھوٹے جانوروں کے قائم مقام ہوجائیں گے۔

"ولو نوى بعض الشركاء الأضحية، وبعضهم هدي المتعة، وبعضهم دم العقيقة بولادة ولد وُلِـدَ له في عامه ذلك، جاز عن الكل في ظاهر

الروایۃ" (اگر قربانی کے جانور میں شریک بعض افراد نے قربانی کی نیت کی، اور بعض نے ہدی تمتع کی، یا بعض نے اس بچے کے عقیقے کی نیت کی جو اسی سال پیدا ہوا ہے، تو ظاہر روایت کے موافق تمام ہی کی طرف سے جس نے جو نیت کی وہ ادا ہو جائے گا)۔

(فتاوی قاضی خان علی ہامش الفتاوی الہندیۃ: ۳/ ۳۵-زکریا-)

تاہم یہ یاد رہے کہ بڑے جانور میں حصہ لینا یہ جائز ہے، اور عقیقے کی سنت یا استحباب ادا ہو جائے گا، لیکن افضل یہ ہے کہ مستقل بڑا جانور یا چھوٹے دو جانور اگر لڑکا ہو، اور لڑکی کی صورت میں ایک جانور خرید کر عقیقے کی سنت کو نبوی طریق پر زندہ کیا جائے۔ ہمارے علاقے (میوات) میں یہ ماحول بنا ہوا ہے کہ مستقل علاحدہ اس کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ ایامِ قربانی ہی میں اس کو شامل کر لیا جاتا ہے، لڑکے کے سلسلے میں تو کبھی اہتمام کیا بھی جاتا ہے، چوں کہ اس میں بچے کے نانا اور ماموں وغیرہ "چھوچھک" بھرتے ہیں (جو کہ قابل ترک عمل ہے)، لیکن بچی اگر ہے تو اس کا تو عقیقہ ہی نہیں کیا جاتا ہے، یہی نہیں سمجھا جاتا ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، اور ہم کو اس کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہیے، اس لیے لڑکے اور لڑکی دونوں کی جانب سے مستقل چھوٹے جانور بکرا، بکری یا بھیڑ وغیرہ خرید کر ان کا عقیقہ کیا جائے۔ **واللہ الموفق۔**

غیر ایام میں بڑے جانور میں عقیقے کے حصے:

ایام قربانی کے علاوہ دنوں میں ایک بڑے جانور میں کئی بچوں کے عقیقے کے حصے لینے میں اختلاف ہے، لیکن راجح یہی ہے کہ جس طرح ایامِ قربانی عقیقے کا حصہ لینا جائز ہے؛ اسی طرح غیر ایام قربانی میں بھی درست ہے۔ (کفایۃ المفتی: ۸/ ۲۲۴)

عقیقے کے جانور کی عمر:

عقیقے کا جانور خواہ بڑا ہو یا چھوٹا؛ اس میں وہی شرائط ملحوظ رہیں گے جن کا لحاظ قربانی کے جانور میں کیا جاتا ہے، چناں چہ اگر عقیقے میں چھوٹا جانور بکرا، بکری، دنبی، دنبہ، مینڈھا، بھیڑ ہیں تو ان کی عمر کم از کم ایک سال مکمل ہونی چاہیے، اور سال پورا ہونے میں قمری سال (اسلامی سال) کا اعتبار ہوگا، اور اگر بڑا جانور ہو تو اس میں گائے، بیل، بھینس، بھینسہ میں دو سال مکمل ہونا ضروری ہے، جب کہ اونٹ اونٹنی میں پانچ سال مکمل ہونا ضروری ہے، البتہ صرف دنبے میں یہ ہے کہ اگر وہ ۶/ ماہ یا اس سے زیادہ کا ہو، لیکن اس قدر توانا اور فربہ ہو کہ ایک سال کا معلوم ہوتا ہو، تو اس کا عقیقہ کرنا بھی درست ہے، جس کی پہچان یہ ہے کہ اگر اس کو ایک سالہ بھیڑوں اور دنبوں کے مابین چھوڑ دیا جائے تو ناظر (دیکھنے والا) اُن کے درمیان فرق نہ کر سکے، البتہ اگر شش ماہ سے کم ہو تو قطعاً عقیقہ درست نہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

وشرط است کہ گاؤ وجاموس کم از دو سال نہ باشد، وشتر کم از پنج سال نہ باشد، وگوسفند و بُز وآں کہ از وحشی واہلی متولد بود اولیٰ ایں است کہ از

یک سال کم نہ باشد، وجائز است شش ماہا دنبہ کہ شروع بہ ماہ ہفتم کردہ

باشد"۔(مالا بدمنہ:ص ۱۷۴)

اور شرط یہ ہے کہ گائے بھینس دوسال سے کم کی نہ ہوں، اور اونٹ پانچ

سال سے کم کا نہ ہو، اور بھیڑ، بکری ایک سال سے کم کی نہ ہو، اور ٦/ماہ کا

دنبہ جس کا ساتواں مہینہ شروع ہوا ہو؛ وہ جائز ہے۔

نیز حدیث شریف میں ہے:"لا تذبح إلا مسنة إلا أن يعسر عليكم فتذبح جذعة"(یعنی مسنہ (دانت والے) جانور ہی کی قربانی کی جائے گی،لیکن اگر مسنہ کا ملنا دشوار ہو جائے تو جذعہ (٦/ماہ) والے کو ذبح کیا جائے)۔

(مسلم شریف، کتاب الاضاحی، باب سن الاضحیۃ: ۲/ ۱۵۵)

"مسنة" کا جو لفظ حدیث مبارکہ میں آیا ہے، فقہائے کرام نے اس کے دو معنی بیان کیے ہیں: (۱) سن رسیدہ جانور (۲) دانت والا جانور۔اس سلسلے میں یہ یاد رہے کہ فقہا نے اصل اعتبار عمر کا کیا ہے، اور دانت کو اس کی علامت قرار دیا ہے۔کئی مرتبہ یہ بات پیش آتی ہے کہ جانور کی عمر پوری ہو جاتی ہے؛ لیکن دانت نہیں ہوتے، جس کو ہمارے میوات میں"دنتا" کہا جاتا ہے، یا دانت آجاتے ہیں؛ لیکن عمر پوری نہیں ہوتی، تو سمجھ لینا چاہیے کہ اصل مدار عمر ہے، اگر وہ مکمل دو سال ہے، خواہ دنتا ہو یا نہیں، اُس کو عقیقے میں ذبح کیا جا سکتا ہے، ورنہ نہیں، یعنی"دنتا" ہو؛ لیکن عمر مکمل نہ ہو، تو نہ اس کی قربانی کی جا سکتی ہے؛ نہ ہی عقیقے میں ذبح کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ یہ صرف علامت ہے، معیار نہیں، جیسا کہ مفتی گجرات حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ"دانت کی علامت پر

مدار نہیں، دانت سن رسیدگی کی علامت ہے، مثال کے طور پر لڑکا، لڑکی سن رسیدگی سے بالغ ہوجاتے ہیں اور شرعی احکام کے مکلف ہوجاتے ہیں، بلوغ کی علامت حیض واحتلام ظاہر ہو یا نہ ہو۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۰/۴۹)

وہ عیوب جو عقیقے میں جانور کے ذبح کرنے سے مانع ہیں:

یہ بھی امر لابدی ہے کہ عقیقے میں شکرانے کے لیے جو جانور ذبح کیا جائے وہ عیوب سے سلامت ہو، جیسا کہ صاحب اعلاؤ السنن نے لکھا ہے: "ولا يجزئ فيه إلا السليم من العيوب" (اعلاء السنن: ۱۷/ ۱۳۰)، اور یہ ضروری بھی ہے، کیوں کہ یہ نذرانہ اس ذات اقدس کے حضور پیش کیا جا رہا ہے جس کی صفات عالیہ اور کمالات ذاتیہ کا اظہار اور ان کو بروئے قلم وزبان لانا دشوار ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

تذکرہ کیسے کروں میں تری دانائی کا
میری حد میں نہیں رتبہ تری بالائی کا

لہٰذا باری تعالیٰ کے حضور بھی نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لیے ایسا جانور اس کی بارگاہ میں پیش کیا جائے جو "مسلمة لا شية فيها" کا حقیقی مصداق ہو۔

البتہ عیوب دو قسم کے ہیں:

(۱) بعض عیوب ایسے ہوتے ہیں کہ اگر جانور میں موجود ہوں تو بھی وہ عقیقے کی ادائیگی سے مانع نہیں ہیں، مثلاً:

(۱) جانور کا بھینگا ہونا۔

(۲) پیدائشی سینگ نہ ہونا، یا کسی سینگ کا اس طرح ٹوٹ جانا کہ اس کی سینگ باقی ہو۔

(۳) قدرتی طور پر کانوں کا چھوٹا ہونا۔

(۴) کچھ دانتوں کا ٹوٹا ہوا ہونا، بایں طور کہ جانور کو چارہ چرنے میں کسی طرح کی کوئی

دشواری نہ ہو۔

(۵) کچھ لنگڑا کر چلنا۔

(۶) مادہ جانور کا بانجھ ہونا۔

(۷) اسی طرح جانور کا "خصی" ہونا عیب نہیں، جیسا کہ سمجھا جاتا ہے، بلکہ یہ مرغوب چیز ہے، لہٰذا خصی جانور بھی عقیقے میں ذبح کیا جاسکتا ہے۔

(۸) اسی طرح جو جانور بیمار ہو، لیکن اس کی بیماری ظاہر نہ ہو، تو اس کا بھی عقیقہ کیا جاسکتا ہے۔

(۹) جس جانور کو کھانسی، اسی طرح خارش (کھجلی) وغیرہ ہو، اس کو بھی ذبح کرنا درست ہے۔

(۱۰) جس جانور کا کان چیر دیا گیا ہو، تو یہ عیب بھی مانع عقیقہ نہیں۔

یہ مختصراً وہ عیوب ہیں جو عقیقے سے مانع نہیں ہیں، البتہ یہ بطورِ حصر نہیں ہیں، بلکہ اور بھی کئی چیزیں ایسی ہوسکتی ہیں جن کے باقی رہتے ہوئے بھی عقیقہ درست ہے، ان کے سلسلے میں ضرورت کے وقت علمائے عظام سے رابطہ کر کے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

(۲) کچھ عیوب وہ ہیں جو مانع ہیں، یعنی جس جانور کے اندر ہوں تو اس کو عقیقے میں ذبح نہیں کیا جاسکتا:

(۱) جس جانور کے سینگ جڑ سے اکھڑ گئے ہوں۔

(۲) جس جانور کے پیدائشی کان نہ ہوں، یا پورا ایک کان کٹا ہوا ہو، یا تہائی حصہ یا اس سے زیادہ کٹا ہوا ہو۔

(۳) جس کی ناک کٹی ہوئی ہو۔

(۴) جو جانور اندھا ہو، یا اس کی تہائی بینائی یا اس سے زیادہ جاتی رہی ہو۔

(۵) جس جانور کی زبان کٹی ہوئی ہو، اور چارہ نہ چر سکتا ہو۔

(۶) جس جانور کے دانت بالکل جھڑ گئے ہوں یا ٹوٹ گئے ہوں۔

(۷) چھوٹے جانور بکری، بھیڑ وغیرہ کا ایک تھن خشک ہو جائے، اس سے دودھ نہ اترتا ہو۔

(۸) گائے، بھینس، اونٹنی کے دو تھن اگر خشک ہو گئے ہوں، دودھ نہ اترتا ہو۔

(۹) جو جانور ایسا لنگڑا ہو کہ تین ہی پاؤں سے چلتا ہو، چوتھا پیر زمین پر ہی نہیں رکھتا ہے، اس کو بھی عقیقے میں ذبح کرنا درست نہیں۔

(۱۰) جس جانور کی دُم نہ ہو، یا ایک تہائی یا اس سے زیادہ کٹی ہوئی ہو، البتہ چکتی دار دنبہ......وہ اس سے مستثنیٰ ہے، اس کی چکتی دُم کے قائم مقام ہے۔

(۱۱) ایسا دبلا اور لاغر و کمزور جانور کہ جس کی ہڈیوں میں بالکل گودا نہ ہو، یا ذبح کرنے کی جگہ تک نہ جا سکتا ہو، تو اس سے بھی عقیقہ کرنا درست نہیں۔

(۱۲) جو جانور پاگل ہو گیا ہو، اس کو بھی عقیقے میں ذبح کرنا درست نہیں۔

نوٹ: اگر کسی جانور کو عقیقے میں ذبح کے لیے لایا گیا، اور بوقت ذبح کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جو عقیقے کے لیے مانع ہو، مثلاً: سینگ جڑ سے اکھڑ گئے، یا دانت ٹوٹ گئے وغیرہ، تو یہ عیب مانعِ عقیقہ نہیں ہوگا، اس کو عقیقے میں ذبح کیا جا سکتا ہے۔

الغرض عقیقے میں جانور کا عیوب سے سلامت ہونا ضروری ہے، اور عیب سے مراد

ایسا عیب ہے جو فطری طور پر نہ ہو؛ بلکہ بعد میں کسی خاص وجہ یا بیماری کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہو، تو ایسے عیب سے پاک ہونا لازم وضروری ہے۔

عقیقہ کب کیا جائے؟

اس سلسلے میں اصل طریقہ متوارث ہے، منقول ہے، وہ یہ کہ بچے کی پیدائش کے ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے:
"السنة أفضل عن الغلام شاتان مكافئتان، وعن الجارية شاة، تقطع جدولًا، ولا يكسر لها عظم، فيأكل ويطعم ويتصدق، وليكن ذاك يوم السابع، فإن لم يكن ففي أربعة عشر، فإن لم يكن ففي إحدى وعشرين" (عقیقے میں سنت یہ ہے کہ لڑکے کی جانب سے برابر دو بکریاں، اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا، اس کے اعضا کاٹے جائیں، اور ہڈیوں کو نہ توڑا جائے، عقیقے کا گوشت خود بھی کھائے، دوسروں کو بھی کھلائے، اور صدقہ بھی کرے، اور عقیقے کا یہ عمل ساتویں دن کرنا چاہیے، اگر ساتویں دن نہ ہو سکے تو چودہویں دن، اور اگر چودہویں دن بھی نہ ہو سکے تو اکیسویں دن کرنا چاہیے)۔ (مستدرک حاکم: ۷۷۰۳)

تسبیع (ساتویں دن) کی حکمت:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نور اللہ مرقدہٗ اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگر بچے کی پیدائش کے دن ہی یہ ضروری قرار دیا جائے تو ممکن ہے کہ اس سے بچے کے والدین کو تکلف ہو، کیوں کہ اس وقت ایک تو گھر کے لوگ بچے اور اس کی ماں کی خبر گیری میں مصروف اور مشغول ہوتے ہیں، ایسے وقت میں ان کو عقیقے کا حکم کرنا ان کے لیے کہیں تکلیف کا باعث نہ بنے، علاوہ ازیں ایسے اوقات میں کبھی کبھار جانور ملنے میں بھی دشواری ہوتی ہے، فوراً لزوم کی صورت میں پورا گھرانہ تمام مشکلات سے دوچار ہوگا، اس لیے مسنون یہ رہا کہ عقیقہ ساتویں دن ہو، جس کے لیے ایک ہفتہ قابل اعتماد مدت ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ: ۲/ ۴۱۴)

نیز علامہ عبدالرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "وحكمه كونها في السبع أن الطفل لا يغلب ظن سلامة بنيته وصحته خلقته وقبوله للحياة إلا بمضي الأسبوع والأسبوع دور يومي كما أن السنة دور شهري" (ساتویں دن کی حکمت یہ ہے کہ بچے کی پیدائش کے ساتویں دن بچے پر پورے ہفتے کا دور مکمل ہو کر بچے کی سلامتی وعافیت وغیرہ کی تکمیل ہو جاتی ہے، اور ہفتہ دنوں کی تکمیل کا زمانہ ہے، جیسا کہ سال مہینوں کی تکمیل کا زمانہ ہے)۔

تو یہ ایک معتد بہ مقدار ہے، جس کے گذرنے کے بعد مشغولیاں ختم ہو جاتی ہیں، اسی طرح سے علاج ومعالجے میں جو انسان کا گھراؤ ہوتا ہے، اس میں خفت آجاتی ہے، نیز اتنے دنوں میں "زچہ" کی حالت میں بھی فی الجملہ سدھار ہو جاتا ہے۔

اگر ساتویں دن نہ کر سکے تو پھر چودہویں دن کرے، کیوں کہ درجے کے اعتبار

سے حضور نے ساتویں دن کو اصل قرار دیا، اس کے بعد چودھویں دن کو۔ اور اگر چودھویں کو بھی کسی عذر کی بنا پر نہ کر سکے تو پھر تیسرے نمبر پر اکیسویں دن کرے۔ اور اگر اکیسویں دن بھی نہ کر سکے تو پھر اگلے سات دن بعد اٹھائیسویں دن کرے، اسی طرح آگے بڑھتا رہے۔ جیسا کہ علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: "فإن تجازوه إحدى وعشرين، ثم في خمس وثلاثين، وعلىٰ هذا قياسًا على ما تقدم، (والثاني) يفصل في كل وقت، لأن هذا قضاء فلم يتوقف كقضاء الأضحية وغيرها" اگر اکیسویں دن سے متجاوز ہو جائے، اور عقیقہ نہ کر پائے، تو اس صورت میں ۲/احتمال ہیں:

(۱) ہر آئندہ آنے والے ساتویں دن میں مستحب ہے، چناں چہ اٹھائیس کو کرے یا پھر پینتیسویں دن کرے۔ على هذا القياس.

(۲) کبھی بھی کر سکتا ہے، اس لیے کہ ان تینوں تواریخ (۷، ۱۴، ۲۱) کے بعد عقیقہ کرنا بمنزلۂ قضا کے ہے، لہٰذا اس کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے، جیسا کہ قربانی یا اس کے علاوہ دیگر چیزوں کی قضا کا وقت متعین نہیں ہے۔ (شرح الزرکشی علی مختصر الخرقی: ۳/۲۹۱)

اگر ولادت رات میں ہو تو......:

یاد رہے کہ اگر رات کے وقت بچے کی پیدائش ہوئی تو یہ رات گذرے ہوئے دن میں شامل نہ ہوگی، لہٰذا اگلے دن سے عقیقے کے دنوں کا حساب لگایا جائے گا، مثلاً: بدھ کا دن گذر کر رات میں بچے کی ولادت ہوئی، تو عقیقے کے لیے دنوں کی گنتی بدھ سے نہیں؛ بلکہ جمعرات سے شروع ہوگی، اور اگلے بدھ کو عقیقہ کرانا مستحب ہوگا۔

وذهب جمهور الفقهاء إلى أن يوم الولادة يحسب من السبعة، ولا

تحسب الليلة إن ولد ليلا، بل يحسب اليوم الذي يليها.

(الموسوعة الفقهية: ۳۰/ ۲۷۸)

تیسرے یا پانچویں دن عقیقہ کرنا:

تیسرے یا پانچویں دن عقیقہ کرنے سے نفس عقیقہ تو ادا ہوجائے گا، البتہ وقت کی جو سنت ہے وہ ادا نہیں ہوگی۔

بلوغ کے بعد عقیقہ:

اگر بالغ ہونے کے بعد عقیقہ کیا جائے، یا کوئی کرنا چاہے تو بھی عقیقہ درست ہوجائے گا، اور والدین کی ذمے داری ساقط ہوجائے گی، لیکن تاخیر بلا عذر خلافِ استحباب ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۰/ ۶۰)

کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا عقیقہ خود کیا تھا؟

اس کے ضمن میں یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ بعض کتب میں لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا عقیقہ بذات خود نبوت کے بعد فرمایا، جیسا کہ حضرت انس کی روایت ہے: "أن النبي ﷺ عق عن نفسه بعد ما جاءته النبوة" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا عقیقہ نبوت ملنے کے بعد فرمایا)۔ (رواہ الطبرانی فی المعجم الاوسط، رقم الحدیث ۹۹۴)

لیکن یہ حدیث ضعیف اور غیر ثابت ہے، علامہ نووی فرماتے ہیں: "وأما الحديث الذي ذكره في عق النبي ﷺ عن نفسه؛ فرواه البيهقي بإسناد عن عبد الله بن محرر عن قتادة عن أنس بأن النبي ﷺ عق عن نفسه بعد

النبوة، وهذا حديث باطل، قال البيهقي: هو حديث منكر" (وہ حدیث جس میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی طرف سے عقیقے کا تذکرہ ہے؛ اس کو امام بیہقی علیہ الرحمہ نے "عبداللہ بن محرر عن قتادۃ عن انس" کی سند سے نقل کیا ہے۔ یہ حدیث باطل ہے، امام بیہقی نے اس پر منکر ہونے کا حکم لگایا ہے)۔(شرح مہذب:۸/۴۳۰)

نیز بعض کتب سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا عقیقہ آپ کے دادا خواجہ عبدالمطلب نے کیا تھا، جیسا کہ سیرۃ المصطفیٰ میں مذکور ہے۔

(سیرۃ المصطفیٰ: ص۶۱ - مصنفہ: حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی)

اور اگر صحیح مان بھی لیا جائے تو اس صورت میں یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت شمار ہوگی، جیسا کہ ابن حجر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "ويحتمل أن يقال: إن صح هذا الخبر كان من خصائصه"۔(فتح الباری:۹/۵۹۵)

صاحب فتاویٰ محمودیہ لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے کو غیر معتبر گردانتے ہوئے اپنا عقیقہ فرمایا۔ فتاویٰ محمودیہ میں ہے: "شرح سفر السعادۃ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے کہ حضور کو اپنے عقیقے کا علم نہیں تھا، اس لیے آپ نے عقیقہ کیا تھا"۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۱/۳۴۶)

لیکن یہ دونوں تطبیق اس صورت میں ہے جب کہ روایت صحیح ہو، اکثر حضرات نے اس کو موضوع، باطل اور منکر قرار دیا ہے۔

عقیقے کا گوشت اور ہڈیاں:

چوں کہ عقیقے کا مقصد اولاد کے حصول پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا، اور اپنے غریب بھائیوں کو اپنی اس خوشی میں شریک کرنا ہے، گویا یہ عیدالاضحیٰ اور حج تمتع وقران کی قربانیوں کی

طرح دمِ شکر ہے، اس لیے جو حکم قربانی کے جانور کے گوشت کا ہے وہ حکم عقیقے کے گوشت کا بھی ہے۔ جیسا کہ صاحب "اشعۃ اللمعات" فرماتے ہیں: "ہر چہ در اضحیہ معتبر است از شرائط واحکام؛ در عقیقہ نیز معتبر است"۔ (اشعۃ اللمعات: ۳/ ۴۸۰) یعنی اس کا گوشت خود کھانا اور اپنے پاس رکھ لینا بھی جائز ہے، اور امیروں کو بھی کھلا دینا درست ہے، اور سارا گوشت غرباء میں تقسیم کر دینا بھی جائز ہے، البتہ بہتر صورت یہ ہے کہ جس طرح قربانی کے گوشت کے تین حصے کیے جاتے ہیں، اسی طرح اس کے بھی تین حصص کیے جائیں، ایک حصہ اہل خانہ کے لیے، ایک حصہ رشتے داروں اور پڑوسیوں کے لیے، اور ایک حصہ غرباء میں تقسیم کر دیا جائے۔ "والأفضل أن يتصدق بالثلث، ويتخذ الثلث ضيافة لأقربائه وأصدقائه، ويدخر الثلث"۔ (شامی، کتاب الاضحیۃ: ۹/ ۴۷۴)

اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ گوشت کچا تقسیم کر دیں، یا پھر گوشت پکا کر کھلا دیں، بلکہ ثانی الذکر صورت زیادہ افضل و بہتر ہے۔

دائی کو عقیقے کا گوشت دینا:

دائی کو عقیقے کا گوشت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ بعض جگہوں پر اس سلسلے میں تشدد برتا جاتا ہے، اور اس کو ضروری خیال کیا جاتا ہے کہ دائی کو عقیقے کے جانور کی ٹانگ دینا ضروری ہے، تو یہ بات درست نہیں، فی نفسہٖ دائی کو گوشت دینے کی اجازت ہے۔

(ردالمحتار: ۵/ ۳٦۲)

ولیمے میں عقیقے کا گوشت:

بعض مرتبہ منتظمین کی جانب سے یہ انتظام کیا جاتا ہے کہ ولیمے میں ہی عقیقہ بھی رکھ

دیا جاتا ہے، تو اس صورت میں بھی عقیقہ درست ہوجائے گا، کیوں کہ ولیمے میں جانور ذبح کرنا اور گوشت کھلانا کوئی ضروری امر نہیں ہے، عام طور پر ولیمے میں گوشت کے ساتھ دیگر چیزیں، مثلاً چاول یا روٹی بھی شامل ہوتی ہے، تو گوشت عقیقے کا ہوجائے گا، اور دیگر چیزیں ولیمے کی نیت سے، اور دونوں صحیح ہوجائیں گے۔ (سنن بیہقی، رقم الحدیث: ۱۴۵۰۶، ۱۴۵۰۷)

اصولِ ولد (ابوین وجدین) کے لیے عقیقے کا گوشت؟

بعض مواقع میں یہ توہم پرستی بھی پائی جاتی ہے کہ عقیقے کا گوشت بچے کے ماں، باپ اور دادا، دادی نہیں کھا سکتے ہیں، بلکہ وہ علاحدہ بازار سے کچھ گوشت منگا کر پھر عقیقے کے گوشت میں ملا کر کھا سکتے ہیں، تو یہ خیال باطل اور بے بنیاد ہے، عقیقے کا گوشت سبھی کھا سکتے ہیں، جیسا کہ قربانی کے جانور کا گوشت سب کھا سکتے ہیں، جیسا کہ صاحب "اعلاءُ السنن" نے لکھا ہے: "يصنع بالعقيقة ما يصنع بالأضحية (إلى قوله) وفي قوله "يأكل أهل العقيقة ويهدونها" دليل على بطلان ما اشتهر على الألسن أن أصول المولود لا يأكلون منها، فإن أهل العقيقة هم الأبوان أولًا؛ ثم سائر أهل البيت" (اعلاءُ السنن: ۱۷/۱۲۷)۔ (فتاویٰ قاسمیہ: ۲۲/۵۴۹)

عقیقے کے جانور کی ہڈیاں توڑنا یا نہ توڑنا:

اس سلسلے میں راجح قول یہی ہے کہ عقیقے کے جانور کی ہڈیاں ذبح کے بعد نہ توڑنا، اور اعضا کو جوڑوں سے علاحدہ کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے، اور یہ مستحب ہے، ضروری نہیں ہے، جیسا کہ السنن الکبری میں ہے: "عن جعفر بن محمد عن أبيه

أن النبي ﷺ قال في العقيقة التي عقتها فاطمة رضي الله تعالى عنها عن الحسن والحسين رضي الله عنهما أن تبعثوا إلى القابلة منها برجل، وكلوا وأطعموا، ولا تكسروا منها عظمًا" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ حضرات حسنین کی جانب سے کیے گئے عقیقے کے بارے میں فرمایا: اُس میں سے ایک پایہ دائی کو بھیج دو، اور خود کھاؤ اور دوسروں کو کھلاؤ، اور اس کی ہڈیاں نہ توڑو۔ (سنن بیہقی: ۱۸۶۹۰)

علامہ ابن قیم جوزیہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "أستحب أن لا يكسر عظامها تفاؤلًا بسلامة أعضاء المولود وصحتها وقوتها" (مستحب اور پسندیدہ بات یہ ہے کہ عقیقے کے جانور کی ہڈیاں نہ توڑی جائیں، اس بات کی نیک فالی کے لیے کہ بچے کے اعضا سلامت رہے، اور اس کی صحت وقوت برقرار رہے)۔ یعنی ہڈیاں نہ توڑنے کی حکمت یہ ہے کہ عقیقے کا جانور نوزائیدہ بچے کا بدل اور اس کی سلامتی کا ذریعہ ہے، لہٰذا عقیقے کے جانور کی ہڈیاں نہ توڑنا بچے کی ہڈیوں اور اعضا کی سلامتی کے لیے نیک شگون ہے کہ اس سے بچے کے اعضا وہڈیاں سلامت رہیں گی۔

البتہ چوں کہ فی زمانناجانور کے سالم اعضا پکانے کا رواج ختم ہو چکا ہے، اور اس طرح گوشت بنانے اور کاٹنے کی صورت میں تقسیم کے وقت بہت سے گھرانوں کے محروم رہنے کا سبب بھی ہے، لہٰذا عقیقے کے جانور کی ہڈیاں توڑ کر چھوٹی چھوٹی بوٹیاں بنانا بھی جائز ہے، ضرورت کے پیش نظر ایسا کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، جیسا کہ فقہا نے لکھا ہے: "ولا يكسر عظمها، وإن كسر لم يكره" (یعنی ہڈیوں کو نہ توڑا جائے، البتہ توڑ دیا تو کوئی حرج بھی نہیں)۔ (العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ: ۲/ ۲۱۳)

صاحب امداد الفتاویٰ (جدید) لکھتے ہیں: "ہڈی توڑنا جانور عقیقہ کی درست ہے، چناں چہ "رد المحتار" میں ہے: "وهي شاة تصلح للأضحية، تذبح للذكر والأنثى، سواء فرق لحمها نيئا أو طبخه بحموضة أو بدونها مع كسر عظمها أو لا واتخاذ دعوة أو لا، وبه قال مالك"۔ (شامی:۶/۳۳۶) بلکہ علامہ ابن رشد مالکی علیہ الرحمہ نے تو کسر عظام کو مستحب قرار دیا ہے، البتہ یہ خاص تناظر میں ہے کہ اس کے ذریعے کفار کے جاہلیت والے طریقے کی مخالفت کی جائے، چناں چہ فرماتے ہیں: "واستحب كسر عظامها لما كانوا في الجاهلية يقطعونها من المفاصل"۔

(بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد:۱/۴۲۲)

نوٹ: البتہ جس جگہ ہڈی توڑنے کو بالکل ممنوع اور نہ توڑنے کو لازم سمجھا جاتا ہو، تو اس کے خلاف کر کے حکم کی حقیقت واضح کر دینی چاہیے، جیسا کہ بعض اکابر کے کلام میں عقیقے کے جانور کی ہڈی نہ توڑنے کا رد پایا جاتا ہے۔

(مستفاد از: دارالافتاء، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتویٰ نمبر:۱۴۴۰۰۱۲۲۰۰۱۹۶)

عقیقے کے جانور کی کھال:

چوں کہ عقیقے کا جانور قربانی کے جانور کے مانند ہے، اس لیے جس طرح قربانی کا گوشت اور ہڈیاں وغیرہ فروخت کرنا ممنوع ہے، اسی طرح عقیقے کے جانور کی کھال کا بھی حکم ہے۔ انتفاع بالجلد کے جواز میں کوئی شبہ نہیں، یعنی خود رکھ کر جائے نماز وغیرہ کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے، البتہ اگر فروخت کر دیا ہے تو پھر تصدق بالقیمۃ بھی ضروری ہے، اگر قصاب کو دے دی ہے تو بھی اس صورت میں کھال کی قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔

عقیقے کا جانور ذبح کرنے کی دعا:

جس طرح قربانی کے جانور میں قربانی کرنے والے کے لیے ذبح کرنا بہتر ہے، اسی طرح افضل یہ ہے کہ بچے یا بچی کا والد اولاً، اور اگر موجود نہ ہو تو قریبی رشتے دار چچا، بھائی وغیرہ ذبح کریں، البتہ اگر کسی کو نہ آتا ہو، یا کسی عذر کی بنا پر خود نہ کر سکیں تو دوسروں سے بھی کروانا جائز ہے۔

البتہ عقیقے کا جانور ذبح کرتے وقت کس کی طرف سے ہے؛ اُس کی نیت کرنا ضروری ہے، اور نیت کا تعلق دل سے ہے، زبان سے کہنا افضل ہے، اور جب ذبح کریں تو یہ دعا پڑھیں: "بسم الله، اللّٰهُمَّ منك وإليك هذه عقيقة فلان"، آخری لفظ "فلان" کی جگہ جس کا عقیقہ کیا جا رہا ہے اس کا نام لیا جائے۔

اگر کسی نے یہ دعا پڑھے بغیر صرف معروف تکبیر کہتے ہوئے ذبح کر دیا تو بھی عقیقہ درست ہے۔ (نومولود کے احکام و اسلامی نام: ص ۱۳۱)

بال اتارنا اور صدقہ کرنا:

جانور کے ذبح کرنے کے بعد عقیقے کا دوسرا عمل یہ ہے کہ بچے کے سر کے بال اتار دیے جائیں، اور ان کے وزن کے بقدر چاندی یا اس کی قیمت صدقہ کر دی جائے۔ یہ صدقہ اس وجہ سے ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عقیقے میں جانور ذبح کر کے اس کا خون بچے کے سر پر لگایا جاتا تھا، لیکن شریعت مطہرہ اس طرح کے ناپاک اور نجس چیز کے طریقے کو پسند نہیں فرماتی، لہٰذا اسے منسوخ کر دیا گیا۔ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے: ﴿إنما يريد الله

ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرًا﴾ (الاحزاب: ۳۳) اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اے اہل بیت! تم سے نازیبا چیزوں کو ناپید کردے، اور تمہیں پاک صاف کردے۔

چناں چہ حضرت ابورافع سے مروی ہے: "قالت فاطمة: يا رسول الله! ألا أعق عن ابني دما؟ قال: لا، احلقي رأسه وتصدقي بوزنه على المساكين أواقٍ من ورِق أو فضة" (فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت فرمایا: کیا میں اپنے بیٹے کے سر پر عقیقے کا خون نہ مل دوں؟ ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ تم ان کے سر کے بال منڈواؤ، اور ان بالوں کے وزن کے بقدر چاندی غربا میں صدقہ کردو)۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۴۲۷۱) معلوم ہوا کہ زمانۂ جاہلیت میں جانور کو ذبح کر کے اس کا خون صاحب عقیقہ کے سر پر لگایا جاتا تھا، جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے: "كانوا في الجاهلية إذا عقوا عن الصبي خضبوا قطنة بدم العقيقة، فإذا حلقوا رأس الصبي وضعوها على رأسه، فقال النبي ﷺ: اجعلوا مكان الدم خلوقا" (زمانۂ جاہلیت میں لوگ جب اپنے بچے کا عقیقہ کرتے، تو روئی کا ایک پھایہ (ٹکڑا) لے کر عقیقے کے جانور کے خون سے رنگ لیتے تھے، پھر جب بچے کا سر مونڈا جاتا تو اس روئی کے ٹکڑے کو اس کے سر پر لگایا جاتا، جب حضور کو علم ہوا تو فرمایا کہ خون کی جگہ کوئی خوشبو رکھو) اس کے بعد جب بچے کا حلق کیا جاتا تو اس کے سر پر زعفران ملی جاتی، جو کہ خوشبودار ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر خوشبوئیں اگر میسّر ہوں تو وہ بھی استعمال کی جاسکتی ہیں۔

نوٹ: (۱) البتہ یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ بچے کے بال ذبح سے پہلے بھی

مونڈے جاسکتے ہیں، ضروری نہیں کہ ذبح کے ساتھ ہی بال بھی اتروائے جائیں، نیز ذبح کے بعد بھی حلق کروایا جاسکتا ہے۔ اور اگر مؤخر ہو گیا ہو، جیسا کہ ہمارے علاقے (میوات) کا حال ہے، تو بھی ضرورت کے وقت بچے کے بال مونڈے جاسکتے ہیں، ذبح کرنا اور حلق کرنا ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم نہیں ہے، جیسا کہ بعض ناواقف لوگوں میں مشہور ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۵/ ۶۲۰)

(۲) اگر بڑی عمر میں عقیقہ کیا جارہا ہے تو ایسی صورت میں بھی بال اتارنا ضروری نہیں، بلکہ اگر بچی کا بڑی عمر میں عقیقہ کیا جارہا ہے تو ایسی صورت میں اس کے بال مونڈنا ناجائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/ ۵۱۱)

بچے کا نام رکھنا:

عقیقے کا تیسرا حکم جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت "تذبح عنه يوم سابعه ويحلق رأسه ويسمى" (نسائی شریف: ۴۲۳۱) سے ثابت ہے، وہ یہ ہے کہ بچے کا نام رکھا جائے۔ البتہ کب رکھا جائے؟ اس سلسلے میں دو طرح کی روایات ہیں: بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ولادت ہی کے دن، جیسا کہ قدوة العلماء، شیخ المحدثین، امام بخاری نور اللہ مرقدہٗ اپنی صحیح میں رقم فرماتے ہیں: "باب تسمية المولود غداة يولد، لمن لم يعق عنه، وتحنيكه، عن أبي موسى رضي الله عنه قال: ولد لي غلام، فأتيت به النبي ﷺ، فسماه إبراهيم، فحنكه بتمرة" (یہ باب بچے کی پیدائش کے وقت نام رکھنے اور اس کی تحنیک کے متعلق ہے، جس کے عقیقے کا ارادہ نہ ہو۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میرے یہاں ایک بچے کی ولادت ہوئی، تو میں اسے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوا، آپ نے اس کا نام ابراہیم رکھا، پھر کھجور سے اس کی تحنیک فرمائی)۔

(بخاری:۵۱۵۰)

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے دن (یوم ولادت) ہی میں نام رکھا جا سکتا ہے، البتہ ترجمۃ الباب سے اس کی وجہ کی طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ یہ اس بچے کے سلسلے میں ہے جس کی جانب سے عقیقہ کرنے کا ابھی کوئی ارادہ نہ ہو۔ جیسا کہ علامہ قسطلانی علیہ الرحمہ اپنی شرح "ارشاد الساری" میں تحریر فرماتے ہیں: "إن من لم يرد أن يعق عنه لا تؤخر تسميته إلى السابع، ومن يريد أن يعق عنه تؤخر تسميته إلى السابع" (جس بچے کا عقیقہ کرنے کا ارادہ فی الحال نہ ہو، تو اس کا نام رکھنا ساتویں دن تک مؤخر نہ کیا جائے، اور جس کے عقیقے کا عنقریب ارادہ ہو تو اس کا نام ساتویں دن رکھا جائے)۔

(ارشاد الساری:۸/۲۵۰)

موجودہ دور میں چوں کہ عورتوں کے اندر ضعف غالب آ گیا ہے، نیز بعض عورتیں شہری علاقوں کی وہ ہوتی ہیں جو ولادت کا درد برداشت نہیں کرسکتیں، یا نہیں کرنا چاہتیں، اور "سیزر" کے ذریعے سے بچوں کی ولادت ہوتی ہے، تو اگر بچہ ہاسپٹل میں پیدا ہوا ہو تو بعض جگہ اسی وقت یا قلیل مدت میں ہی نام بتانا پڑتا ہے، منتخب کرنا ہوتا ہے، تو امام بخاری علیہ الرحمہ کی اس تشریح سے بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ ایسے موقع پر فوراً نام کا انتخاب کرلیا جائے۔ حافظ ابن حجر امام بخاری کی اس ترتیب وتوضیح کے سلسلے میں فرماتے ہیں: "وهو جمع لطيف لم أره لغيره" (امام بخاری علیہ الرحمہ نے ان دو مختلف مفہوم رکھنے والی احادیث کو بڑے عمدہ انداز میں جمع فرمایا ہے، میں نے یہ انداز امام بخاری کے علاوہ کسی کے یہاں نہیں

دیکھا)(فتح الباری:۹/ ۵۸۸)۔(الاقوال الصحیحۃ فی أحکام النسیکۃ)

البتہ یہ ضروری ہے کہ بچے کا نام عمدہ رکھا جائے، چوں کہ حدیث مبارکہ میں آیا ہے:"قال رسول الله ﷺ: إنكم تدعون يوم القيامة بأسماءكم وأسماء آباءكم، فأحسنوا أسماءكم"(تم قیامت کے دن تمہارے اورتمہارے والدین کے ناموں سے پکارے جاؤ گے،لہٰذا اپنے نام اچھے رکھو)۔(سنن ابی داود:۴۹۵۰)

چوں کہ "مسمی" کا "مسمی بہٖ" پر اثر ہوتا ہے،اور اللہ تعالیٰ اچھے اور عمدہ معانی والے نام کا "مسمی بہٖ" پر بہترین اثر مرتب فرماتے ہیں،نام کے اچھے اور بامعنی ہونے کا انسان کی شخصیت پر اثر پڑتا ہے۔

نام کے اچھا یا بُرا ہونے کا معیار یہ نہیں کہ کیف ما اتفق جو پسند آجائے اسی کو رکھ دیا جائے؛ بلکہ معیار یہ ہے کہ وہ عندالشرع مستحسن ہو۔چناں چہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:"وفي الفتاوى: التسمية باسم لم يذكره الله تعالى في عباده، ولا ذكره رسول الله ﷺ، ولا استعمله المسلمون، تكلموا فيه، والأولى أن لا يفعل. كذا في المحيط"(بچوں کا ایسا نام رکھنا جو اللہ نے بندوں کے لیے ذکر نہیں کیا،اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذکر فرمایا،اور نہ ہی اہل اسلام نے اس کو استعمال کیا ہے(یعنی ایسا نام رکھنا متعارف نہیں)تو اس پر علما کی رائیں مختلف ہیں،اور بہتر یہ ہے کہ ایسا نام نہ رکھا جائے)۔

(فتاویٰ ہندیہ:۵/ ۳۶۲)

لہٰذا نام رکھیں؛لیکن علما سے پوچھ کر،جن کے معانی اچھے ہوں۔اس میں بھی ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اولاد اللہ کی جانب سے عطیہ ہیں،لہٰذا منعم کی طرف نسبت کرتے ہوئے

باری تعالیٰ کے اسماء پر نام رکھیں، جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے: "عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: إن أحب أسماءكم إلى الله عز وجل عبد الله وعبد الرحمن" (اللہ تعالیٰ کو تمہارے ناموں میں سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں)۔ (صحیح مسلم: ۲۱۳۲) مراد اس سے یہ ہے کہ صرف یہی دو نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کے دیگر اسمائے صفاتیہ کی طرف بھی نسبت کی جا سکتی ہے، مثلاً: عبدالباقی، عبدالہادی، عبدالجبار، عبدالسلام وغیرہ۔

ایک دوسری حدیث میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "تسموا بأسماء الأنبياء، أحب الأسماء إلى الله تعالى عبد الله وعبد الرحمن، وأصدقها حارث وهمام، وأقبحها حرب ومرة" (تم اپنی اولاد کے نام انبیا کے نام پر رکھو، اور اللہ عز وجل کے پسندیدہ نام عبداللہ وعبدالرحمن ہیں، اور سب سے سچے نام حارث اور ہمام ہیں، اور سب سے بُرے اور ناپسندیدہ نام حرب اور مرہ ہیں)۔ (سنن ابی داود: ۴۹۵۰)

ان احادیث کے پیش نظر ہمارا رویہ اور طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ ہم عمدہ اور اچھا نام رکھیں، خاص طور پر عبد کی نسبت کے ساتھ، چوں کہ عبدیت بندے کی معراج ہے، اس طرح کے ناموں سے بچے کے اندر تواضع وانکساری اور عمدہ اخلاق کا نمو ہوگا، اور بچہ اپنے خالق حقیقی اور اپنے والدین کا فرماں بردار ہوگا۔

نوٹ: ہمارے علاقے میں اس سلسلے میں انتہائی درجے کی غفلت اور جہالت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، چناں چہ کسی کا نام "روہن"، کسی کا نام "راہل"، کسی کا نام "سہوان" اور کہیں "ساہون"، لڑکیوں میں بھی بے معنی اور شدید ثقالت والے نام پائے جاتے ہیں، کہیں

"تنزیلا"، کہیں "من تشاء"، کہیں "انعمت"، الغرض جتنے بے معنی اور نازیبا اسما کا ذخیرہ ہمارے یہاں پایا جاتا ہے؛ شاید ہی کہیں اس کا وجود ہو، اس لیے اس کی طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

﴿مسائل متفرقہ﴾

(۱) فوت شدہ بچے یا بعد البلوغ انتقال کرجانے والے کا عقیقہ:

صاحب استطاعت کے لیے نومولود کا عقیقہ اس کی زندگی میں مستحب ہے، اسی لیے جو بچہ پیدائش سے قبل ہی رحم مادر میں انتقال کرجائے، یا بعد الولادۃ قبل العقیقہ فوت ہوجائے، یا کسی کا بلوغت تک عقیقہ نہ ہوا ہو، اور بعد البلوغ وہ انتقال کرجائے، تو ایسی صورتوں میں ان کا عقیقہ نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ مرحومین کے نام پر عقیقہ کرنے کا احادیث مبارکہ میں ثبوت نہیں ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ ان کی طرف سے نفل قربانی کردی جائے، جو کہ ان کے لیے بہتر ہے، چناں چہ حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے ایک روایت نقل فرمائی ہے، جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ جس کا عقیقہ نہ ہوا ہو اُس کے لیے اس کی جانب سے نفل قربانی کفایت کرجائے گی۔ "عن عبد الرزاق عن معمر عن قتادة: من لم يعق عنه أجزأته أضحية"۔ (فتح الباری: ۹/ ۵۹۵)

(۲) بیوی کی طرف سے شوہر کا عقیقہ کرنا:

عقیقے کی اصل ذمے داری تو والدین کی ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے ممکن نہ ہوسکا اور شادی کے بعد شوہر عقیقہ کرانا چاہے، تو اصل حکم تو وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ اس کی طرف سے نفل قربانی کردی جائے، البتہ اگر کسی نے کرا دیا تو عقیقہ درست ہوجائے گا۔ والدین کو چاہیے کہ اس طرح کا موقع آنے ہی نہ دیں، "لأن ذلك جهة التقرب بالشكر على نعمة الولد"۔ (شامی، کتاب الاضحیۃ: ۹/ ۴۷۲)

(۳) قرض لے کر عقیقہ کرنا:

اگر کوئی شخص صاحب استطاعت نہیں ہے، اور صرف نام ونمود یا کسی خاندانی جبر کی وجہ سے صرف عقیقے ہی کے لیے قرض طلب کرے، تو یہ درست نہیں ہے، چوں کہ "عقیقہ" واجب یا فرض درجے کا عمل نہیں ہے کہ اس کے لیے قرض لینا ضروری ہو، بلکہ مستحب درجے کا عمل ہے، بصورت گنجائش کرنا چاہیے، البتہ اگر کسی عارض کی وجہ سے صاحب استطاعت کو رقم کم پڑ جائے تو اس کے لیے قرض لینے کی گنجائش ہے۔ "عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قلت: يا رسول الله! أستدين وأضحي؟ قال: نعم، فإنه دين مقضي"۔ (سنن دار قطنی، کتاب الاشربۃ: ۴۷۱۰)

(۴) گابھن جانور کو عقیقے میں ذبح کرنا:

عقیقے میں گابھن جانور کو ذبح کرنا مکروہ ہے، تاہم اگر کسی نے ذبح کر دیا تو پھر بھی عقیقے کی سنت ادا ہو جائے گی، البتہ اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ اس طرح کا جانور نہ عقیقے میں لیا جائے اور نہ ہی قربانی میں۔ (مستفاد از: کفایۃ المفتی: ۸/ ۲۶۲)

ويكره ذبح الشاة إذا تقارب ولادتها، لأنه يضيع ما في بطنها.

(البحر الرائق: ۸/ ۱۷۱)

(۵) لڑکی کے عقیقے میں کیا بکری ذبح کرنا ضروری ہے؟

بعض جگہ یہ خیال پایا جاتا ہے کہ بچی کے عقیقے میں مادہ جانور کی قربانی کی جائے، یہ خیال محض باطل اور بے بنیاد ہے، عقیقے کے جانور میں نر و مادہ کا کوئی فرق نہیں، جیسا کہ حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ولا يضركم ذكرانًا كن أو إناثًا" (عقیقے میں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جانور مذکر ہو یا مؤنث)۔(سنن الترمذی:۱۵۱۶)

(٦) عقیقے کے جانور الگ الگ دو جگہ ذبح کرنا:

اگر کوئی شخص دو الگ الگ جگہوں پر عقیقے کے جانور ذبح کرانا چاہے تو کرا سکتا ہے، ایک ہی جگہ پر دونوں کو ذبح کرانا ضروری نہیں ہے، نیز وقت واحد کی بھی قید نہیں ہے، مختلف اوقات میں ذبح کرائے جا سکتے ہیں۔

"لأن الدماء أربعة: ما يختص بالزمان والمكان، كدم المتعة والقرآن، وما يختص بالمكان، وهو ما بقي من دم الحج والهدايا المنذورة والمتطوع بها إلى عطب من التطوع، وما يختص بالزمان، كدم الأضاحي، وما لا يختص بزمان ولا مكان، كدم العقيقة والوكيرة"۔(دور الحکام شرح غرر الاحکام:۳/۲۲۹)

(۷) بال استرے سے کاٹے جائیں یا قینچی سے؟

اصل حکم تو اس سلسلے میں یہ ہے کہ پیدائش کے ساتویں دن بچے کا حلق کیا جائے، یعنی استرے سے بال اتار دیے جائیں۔ اس میں چند حکمتیں اور بچے کے مصالح پوشیدہ ہیں:

(۱) ولادت کے بعد بچے کے سر پر جو میل کچیل جمع ہوتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔

(۲) پیدائشی بال کمزور ہوتے ہیں، استرہ لگنے کے بعد وہ صاف ہو جاتے ہیں، اور ان کی جگہ مضبوط، گھنے اور طاقتور بال آ جاتے ہیں۔

(۳) عقیقے میں دو ہی کام ہوتے ہیں: ایک بچے کے سر منڈوانا، اور دوسرا شکرانہ کے طور پر ذبح کرنا، اور ان دونوں عملوں میں خاص ربط اور مناسبت ہے، وہ یہ کہ یہ دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی نشانی اور یادگار ہیں، حج میں بھی ان دونوں کاموں کا اس طرح جوڑ ہے، حاجی پہلے قربانی کرتا ہے، پھر سر صاف کراتا ہے، اس اعتبار سے عقیقے میں عملی طور پر اعلان ہوتا ہے کہ ہمارا ربط اور تعلق خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہے، اور ہر بچہ ملت ابراہیمی کا پیروکار اور اس کا حصہ ہے۔

(۴) بال صاف کروانے سے بچے کے سر کے مسام کھل جاتے ہیں، جس سے بخارات بہ آسانی نکل جاتے ہیں، اور بچے کے دیکھنے، سونگھنے اور سننے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔"وكان حلق رأسه إماطة الأذى عنه، وإزالة الشعر الضعيف، ليخلفه شعر أقوى وأمكن منه وأنفع للرأس، ومع ما فيه من التخفيف عن الصبي، وفتح مسام الرأس، ليخرج البخار منها بيسر وسهولة، وفي ذلك تقوية بصره وشمه وسمعه"۔ (تحفۃ المورود باحکام المولود: ص ۱۷)

نوٹ: البتہ یہ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ بعض مرتبہ بچہ انتہائی کمزور پیدا ہوتا ہے، فی زمانہ اس کا شیوع کثیر ہے، جس میں بچے کا سر پوری طرح مکمل نہیں ہوتا ہے، بلکہ گڑھے سے ہوتے ہیں، جو دھیرے دھیرے مکمل ہوتے ہیں، تو اسی موقع پر حلق نہ کرنا چاہیے، تاکہ بچہ کسی پریشانی میں مبتلا نہ ہو جائے۔

(۸) بچہ ہاسپٹل میں ہو:

اگر بچے کی ولادت ہاسپٹل میں ہو، اور وہیں اُسے رکھا گیا ہے، اعزہ واقارب اس کا

عقیقہ کرنا چاہ رہے ہیں، تو گھر پر اس کا عقیقہ کیا جا سکتا ہے، عقیقے کے لیے بچے کا سامنے ہونا ضروری نہیں ہے۔ (مستفاداز: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۵/ ۶۱۹)

(۹) جانور ذبح نہ کر کے اس کی قیمت صدقہ کرنا:

اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ عقیقے کا جانور ذبح کرنے کے بجائے اس کی جگہ جانور کی قیمت غریبوں میں صدقہ کر دے، تو اس کی اجازت نہیں ہے، عقیقۂ مسنونہ اس سے ادا نہیں ہوگا، البتہ صدقہ وغیرہ کا ثواب اسے مل جائے گا۔ "(ومنها) أن لا يقوم غيرها مقامها حتى لو تصدق بعين الشاة أو قيمتها في الوقت لا يجزيه عن الأضحية؛ لأن الوجوب تعلق بالإراقة والأصل أن الوجوب إذا تعلق بفعل معين أنه لا يقوم غيره مقامه كما في الصلاة والصوم وغيرهما"۔ (بدائع الصنائع: ۱۰/ ۲۶۴)

(۱۰) عقیقے کا جانور خریدنے سے متعین نہیں ہوتا:

چوں کہ عقیقہ ایک مسنون و مستحب عمل ہے، لہٰذا قربانی کی طرح اگر کسی نے عقیقے کی نیت سے کوئی جانور خریدا تو وہ متعین نہیں ہوگا، جب کہ قربانی میں متعین ہو جاتا ہے، چناں چہ عقیقے میں کسی عارض کی بنا پر اگر ردوبدل کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

(فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/ ۵۲۹- ڈابھیل-)

رسومات سے احتراز کرنا چاہیے:

عقیقہ ایک انتہائی آسان عبادت ہے، جس میں بچے کے لیے بے شمار مصالح اور فوائد پوشیدہ ہیں، جیسا کہ "نکاح" ایک بہت ہی مختصر اور آسان عبادت ہے، لیکن ہمارے

رسم و رواج نے اسے مشکل بنا دیا ہے۔ آج اپنے بچے کا عقیقہ کرنے کی بہت سے لوگوں کی ہمت نہیں ہوتی، کیوں کہ اس میں بہت ساری چیزیں ضروری اور امر لابدی قرار دے دی گئی ہیں، چناں چہ عقیقے میں باقاعدہ شادیوں کی طرح دعوت کا اہتمام کیا جاتا ہے، عزیز و اقارب کو دور دراز سے مدعو کیا جاتا ہے، دعوت نامے اور کارڈ چھپوائے جاتے ہیں، شامیانے لگوائے جاتے ہیں، نیز شرکت کرنے والے مہمانوں کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ بچے کے لیے تحفہ تحائف (ہمارے عرف میں "کرتا ٹوپی") اور والدین کے لیے بھی ہدیہ وغیرہ لے کر آئیں، ان حالات میں عقیقہ عبادت کے بجائے رسم کی صورت اختیار کر گیا ہے، اور عقیقے کی روح اور اس کا فلسفہ اس طریقۂ کار میں نہ رہا، جب کہ شریعت اسلامیہ نے آسان ترین طریقے کی تعلیم دی ہے، اس لیے ان تمام رسومات اور رواجوں سے انسان احتراز کرے، اور شریعت کی جو روح ہے "الدین یسر" (دین آسان ہے)؛ اس کو زندہ کرنے کی کوشش کریں، اور اس کی تلافی اس وقت ممکن ہے جب کہ انسان اپنی ذات سے شروعات وابتدا کرے۔ **واللہ ھو الموفق وھو المعین۔**

وما علینا إلا البلاغ

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

مصادرومراجع

	الکتب	المصنفین
١	القرآن الكريم	
٢	صحيح البخاري	أبو عبدالله محمد بن إسماعيل البخاري
٣	صحيح مسلم	أبو الحسين مسلم بن حجاج القشيري
٤	سنن أبي داود	أبو داود سليمان بن أشعث السجستاني
٥	سنن الترمذي	أبو عيسىٰ محمد بن عيسىٰ الترمذي
٦	سنن ابن ماجه	أبو عبدالله محمد بن يزيد القزويني
٧	سنن النسائي	أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب النسائي
٨	مسند أحمد بن حنبل	أبو عبدالله أحمد بن حنبل
٩	موطأ إمام محمد	أبو عبدالله محمد بن حسن الشيباني
١٠	مصنف ابن أبي شيبه	أبوبكر عبدالله بن محمد الكوفي
١١	مسند أبي يعلى	أحمد بن علي بن المثنى الموصلي
١٢	المستدرك على الصحيحين	أبو عبدالله الحاكم محمد النيسابوري
١٣	سنن الدار قطني	أبو الحسن علي بن عمر الدارقطني
١٤	شعب الإيمان	أبوبكر أحمد بن الحسين البيهقي
١٥	فتح الباري	أحمد بن علي بن حجر العسقلاني

١٦	إرشاد الساري	أبو العباس أحمد بن محمد القسطلاني
١٧	فيض الباري	أنور شاه بن مظفر شاه الكشميري
١٨	العرف الشذي	// // // //
١٩	إعلاء السنن	ظفر أحمد العثماني التهانوي
٢٠	فيض القدير شرح الجامع الصغير	محمد عبد الرؤوف المناوي
٢١	المعجم الأوسط	أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني
٢٢	مرقاة المفاتيح	نور الدين ملا علي بن سلطان القاري الهروي
٢٣	أشعة اللمعات	الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي
٢٤	شرح مشكل الآثار	أبو جعفر أحمد بن محمد الطحاوي
٢٥	نيل الأوطار	محمد بن علي بن محمد الشوكاني
٢٦	عمدة القاري	أبومحمد محمود بن احمد العيني
٢٧	شرح الزرقاني على الموطأ	محمد بن عبد الباقي بن يوسف الزرقاني
٢٨	أصل صفة صلاة النبي	أبو عبدالرحمن محمد ناصر الدين الألباني
٢٩	بهجة المجالس وأنس المجالس	أبو عمر يوسف بن عبد الله القرطبي
٣٠	الانتقاء في فضائل الأئمة	// // // //
٣١	تاريخ بغداد	أبو بكر أحمد بن علي الخطيب البغدادي
٣٢	المغني لابن قدامه	عبد الله بن محمد بن قدامه الجماعيلي

٣٣	رد المحتار على الدر المختار	محمد أمين بن عمر الشهير بـ ابن عابدين
٣٤	فتاوى العالمكيريه	مؤلف شيخ نظام وجماعة من علماء الهند
٣٥	بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع	أبوبكر بن مسعود الكاساني
٣٦	فتاوىٰ قاضي خان	أبو المحاسن فخر الدين الحسن بن منصور
٣٧	بداية المجتهد ونهاية المقتصد	أبو الوليد محمد بن احمد الأندلسي
٣٨	شرح الزركشي على مختصر الخرقي	شمس الدين محمد بن عبد الله الزركشي المصري
٣٩	الموسوعة الفقهية	وزارة الأوقاف والشؤون الاسلامية، كويت
٤٠	المجموع شرح المهذب	أبو زكريا محيي الدين يحيىٰ بن شرف النووي
٤١	حجة الله البالغة	شاه ولي الله المحدث الدهلوي
٤٢	العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية	محمد امين بن عمر الشهير بـ ابن عابدين
٤٣	تحفة المودود بأحكام المولود	ابن قيم الجوزية
٤٤	الأقوال الصحيحة في أحكام النسيكة	أبو طيب شمس الحق عظيم آبادي
٤٥	درر الحكام شرح غرر الأحكام	محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا خسرو

۴٦	زاد المعاد في هدي خير العباد	ابن قيم الجوزية
۴۷	العقيقة في الفقه	دكتور مريم الهندي
۴۸	البحر الرائق شرح كنز الدقائق	زين الدين بن إبراهيم بن محمد المعروف بـ سراج الدين ابن نجيم المصري
۴۹	الذبائح في الشريعة الإسلامية	بديعه علي أحمد الطملاوي
۵۰	مالابدمنہ	قاضی ثناء اللہ پانی پتی
۵۱	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	مولانا عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی
۵۲	فتاویٰ رحیمیہ	مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری
۵۳	فتاویٰ محمودیہ	مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی
۵۴	فتاویٰ قاسمیہ	مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی
۵۵	نومولود کے احکام واسلامی نام	مفتی محمد رضوان
۵٦	کفایۃ المفتی	مفتی اعظم مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی
۵۷	سیرۃ المصطفیٰ	مولانا ادریس صاحب کاندھلوی

رحمهم الله تعالٰى رحمة واسعة